سلسلۂ اشاعت نمبر ۵۹

تجلیاتِ مفتیٔ اعظم ہند

مرتب: محمد قمر الحسن قادری قمر بستوی

ناشر: رضا اکیڈمی بمبئی ۳

إِنَّمَا الْعُلَمَاءُ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ وَرِثُوا الْعِلْمَ

(الحدیث)

تجلیاتِ مفتیٔ اعظم ہند

پ ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء و ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء

بموقعہ ۔ جشنِ صد سالہ

مرتب

مولانا محمد قمر الحسن قادری قمر بستوی

ایم۔ اے فارسی علیگ ۔ ایم ۔ اے اردو فیض آباد

استاذ ادب دار العلوم محبوب سبحانی کرلا بمبئی

باہتمام ۔ جناب محمد سعید نوری

ناشر ۔ رضا اکیڈمی ـــــ ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ بمبئی ۳

تجلّیاں

نمبر شمار	موضوعات	ارباب قلم	صفحہ
۱	حدیثِ دل	مرتب	۵
۲	رضا اکیڈمی ایک اجمالی جائزہ	مولانا محمد قمر الحسن بستوی	۱۲
۳	تبرکات	کلام رضا	۱۹
۴	تبرکات	کلام نوری	۲۰
۵	مفتی اعظم کا محدّثانہ منصب	علامہ ارشد القادری	۲۱
۶	مفتی اعظم کا تقویٰ اور خشیتِ ربانی	مولانا یٰسٓ اختر مصباحی	۵۹
۷	مفتی اعظم اور دورِ حاضر کے علماء و مرشدین	مولانا بدر القادری	۷۱
۸	مفتی اعظم افق سیاست پر	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	۸۸
۹	مفتی اعظم کی جرأت ایمانی	ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی	۱۰۷
۱۰	حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی	مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی	۱۱۴
۱۱	پندرہویں صدی کا مجدد	مولانا توصیف رضا خاں	۱۴۵
۱۲	حضرت نوری بریلوی کی شاعری احادیث کی روشنی میں۔	مولانا محمد حسین ابو الحقانی	۱۵۲
۱۳	تصور جاناں	مولانا بدر القادری	۱۵۸

حدیثِ دل

(مرتب)

اَرَی الْعَیْشَ کَنْزًا نَاقِصًا کُلَّ لَیْلَۃٍ وَمَا تَنْقُصُ الْاَیَّامُ وَالدَّھْرُ یَنْفَدُ (طرفہ)

ترجمہ۔ ”میں زندگی کو ایک ایسا خزانہ دیکھ رہا ہوں جو ہر رات گھٹ رہا ہے جس کو زمانہ اور ایام گھٹا رہے ہیں“

اس شعر کو پڑھئے اور ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء کا وہ دن نگاہوں کے سامنے لائیے جس دن ایک مردِ حق آگاہ دنیا بھر کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے مولیٰ سے جا ملا تھا ایسا محسوس ہوگا کہ ایک دہے کی مسافت سمٹ کر ایک نقطہ میں منجمد ہوگئی ہے۔ دیکھتے دیکھتے دس سال گذر گئے اور زخم دل کی کسک ابھی اسی طرح باقی ہے جیسے کل کا کوئی واقعہ ہو جو دلوں کو زخمی کر کے ابھی گذرا ہے۔ تفقہ کا سورج، علم قرآن و حدیث کا ماہتاب اور عشق نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی کہکشانی یہ سب کل ہی ماند پڑے ہیں۔ دس سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ اس عرصہ میں نسلیں جوان ہو جاتی ہیں اور عہد شباب کی مقناطیسی قوت رنگ آلود ہو جایا کرتی ہیں ..... مگر ..... اس رخ تابندہ کا جمال آئینۂ قلب میں ایسا اترا ہوا ہے کہ لمحہ لمحہ تجدید ضیا کا رنگ بدل رہا ہے۔

سید التارکین، عارف باللہ، عاشق سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم، شہزادۂ امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو جوارِ الٰہی میں پہونچے ہوئے دس سال گذر گئے۔ لیکن صفحۂ ہستی کا ہر نقش ابھی تابندہ و تازہ ہے، نہاں خانۂ دل کا ہر گوشہ ابھی ان کی یادوں سے جگمگا رہا ہے۔ کوئی بھی

ذرّہ تو ماند نہیں پڑا ہے۔

(غالبؔ)

دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا
ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہے

اسی تابناکی کا ایک رخ جشن صد سالہ بھی ہے۔ جس میں اپنے محسن کو خراج عقیدت پیش کرنے کا ایک جاذب عمل اختیار کیا گیا ہے ___ ہاں ___ محسنین کے ہر احسان کو یاد رکھا جاتا ہے، ان کی زندگی کے ان قیمتی لمحات کو حرز جاں بنایا جاتا ہے جن کو انہوں نے سوختگیٔ قلب سے کباب آہو بنا دیا ہوتا ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ ان عظیم محسنین میں سے ایک ہیں جن کی ذات کا ہر گوشہ احسان سے تعبیر ہوتا ہے۔ سوتے جگتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے زندگی کے جس حصہ پر نگاہ ڈالی جائے احسانات کے چشمے ابلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ خاصان خدا اپنی ظاہری حیات میں ان گوشوں کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں ضرب کلیمی کا سوز پنہاں ہوتا ہے اور سرمدو منصور کی جمال آمیز جلالی کیفیت کے اثرات مخفی ہوتے ہیں... مگر ..... مشیت الٰہی ان کو واشگاف کرنے کی خفیہ تدابیر کر دیا کرتی ہے۔ پھر وہ سارے امور جن تک عالم شہود میں ناخن عقل کی رسائی نہیں ہو پاتی بالتدریج منصۂ شہود پر آنے لگتے ہیں ___ پھر کیا ہوتا ہے ___ نگاہ عقل دیدہ حیرت وا کئے ہوئے ان خرق عادات افعال کے استعجابی تموجات میں یوں ڈوب جاتی ہے کہ اپنے گرد و پیش کا احساس تک نہیں رہ جاتا۔ متنبیؔ کہتا ہے۔

إِذَا تَغَلْغَلَ فِكْرُ الْمَرْءِ فِي طَرَفٍ
مِنْ مَجْدِهٖ غَرِقَتْ فِيهِ خَوَاطِرُهٗ

ترجمہ۔ "جب انسان کی فکر اس کی شرافت کے کنارے غوطہ لگاتی ہے تو اس کے خیالات اس میں غرق ہو جاتے ہیں"۔

ایسا ہی کچھ حال حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ آج آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے جو گوشے ابھر کر نظروں میں آرہے ہیں ان میں کا ہر ایک ایسا ہے کہ ان کی تہوں تک پہونچنے کیلئے فکر درماندہ ہے۔ ذرا اس طرف نگاہ دوڑائیے ایک طرف علمی طنطنہ کہ علوم متداولہ میں سے تیس ۳۰ سے زائد علوم پر گہری نظر بلکہ بعض علوم میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ان کا تجدیدی پہلو اجاگر کیا جارہا ہے پھر رشد و ہدایت کی بساط کرم جو صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرون ہند بھی بچھی ہوئی ہے اس میں سالوں سال مشغولیت مزید برآں قلم فیض آثار سے ۲۸ کتابوں کا علمی خزانہ قوم کے نام نذر۔ اور ہر کتاب اپنی جامعیت کے لحاظ سے متموج بحر بیکراں، اس پر دارالافتاء کا مکمل نظام اور اس کی پوری ذمہ داری پھر فلاح عوام کیلئے تعویذ نویسی کا فی سبیل اللہ عمل، جسمیں قطاریں لگی ہوئی رہیں۔ نیز لوگوں کے قضایا کے فیصلے، علماء کی دل جوئی اور ان کے مسائل کا تشفی بخش حل، کن کن امور پر نظر ڈالی جائے۔ یہ سب اپنی داخلی حیات سے الگ گوشے تھے۔ پھر آپ کی اپنی نجی زندگی کے معمولات یومیہ جس کی قضا کبھی نہ ہو۔ شخصیت کے کس کس پہلو پر لکھا جائے، اور کیا کیا لکھا جائے۔ جو بھی لکھا جاتا ہے پھر جب ذات گرامی سے اسکی تطبیق کی جاتی ہے تو کہنا پڑتا ہے!

ع "ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم"

"تجلیات مفتی اعظم ہند" میگزین آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ چند علوم پر دل کھول کر بحث کی گئی ہے۔ مگر قلموں کی روشنائی کا نذرانہ گذارنے کے بعد بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ جو لکھا گیا ہے وہ ابھی بحث کا آغاز ہے۔ یقیناً لکھا جاتا رہے گا اور صدیوں لکھا جاتا رہے گا۔ پھر بھی شخصیت کے تنوعات

کو سمیٹا نہ جا سکے گا۔ ایک موضوع پر قلم اپنی جولانی طبع دکھا چکا ہوگا۔ کہ دوسرا موضوع سر ابھار کر دعوتِ نظارہ دے رہا ہوگا۔ یہاں تو موضوع در موضوع سلسلۂ سخن دراز ہے۔ بیشک یہ مالک حقیقی کا فضل بے پایاں ہے کہ جب اپنے مخصوص بندوں کو نوازتا ہے تو وسعتوں کو نقطوں میں سمو دیا کرتا ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ حضور مفتی اعظم بھی ایک ایسی ہی ذات تھے جن کے وجود میں وسعتیں سمٹی ہوئی تھیں۔

یہ میگزین مقالات کا ایک مجموعہ ہے۔ اس کے مقالوں کی تہ میں آپ کو ایسے ایسے جواہر پارے ملیں گے جس کو آپ پڑھتے جائیں گے اور آپکی نگاہیں حیرت سے کھلتی جائیں گی مگر لذت و کیف کی چاشنی سے آپ سیراب نہ ہو پائیں گے۔ کیونکہ جذبات میں ایسی لذت ذائقہ آپ کو ملے گی کہ مزید کا نعرہ آپ کی زباں پر ہوگا۔ جتنے بھی مقالہ نگار حضرات نے اپنی فکری کاوش کو قلم کی توانائی کا روپ دے کر خراج عقیدت میں نذر کیا ہے یہ ان کی فکری بلندیوں کے شاہکار ہیں ـــــ مگر ـــــ حدیثِ دل کہے بغیر بات نہیں بنتی کہ ـــــ:

ع "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

رئیس التحریر علامہ ارشد القادری دامت برکاتہ القدسیہ کے ہم تہ دل سے ممنون ہیں کہ انھوں نے حضور سیدی مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی حیات کا وہ گوشہ اجاگر فرمایا ہے جو انھیں کا حق تھا۔ مقالہ کی داخلی کیفیات کا حال یہ ہیکہ اول سے آخر تک پڑھ جائیے تو موضوع کی وسعت سے یہ اندازہ ہوگا کہ حضرت علیہ الرحمہ علم حدیث، اصول حدیث، جرح و تعدیل اور اسماء الرجال میں قرنِ اول کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔ مقالہ میں حضرت علامہ نے خون جگر جذب کر دیا ہے

مولانا انیس اختر مصباحی نے تقویٰ و تدین کے وہ نمونے تراشے ہیں جن کو پڑھ کر دل میں خشیت ربانی کا جذبہ جاگ اٹھتا ہے اور حضرت مفتی اعظم کا معیار تقویٰ سمجھ میں آجاتا ہے، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے سیاست پر سیدی مفتی اعظم کی انتہائی گہری نظر کو واشگاف فرمایا ہے، جس میں سیاست کے وہ خدوخال اجاگر کئے گئے ہیں کہ افق سیاست کا نیّر تاباں پوری تجلیوں کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔
مولانا بدرالقادری نے رشد و ہدایت کے وہ گل بوٹے سجائے ہیں جس کو مطالعہ کر کے حضرت معروف کرخی اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہما کی یاد تازہ ہوئی جاتی ہے۔ ڈاکٹر شرر مصباحی نے اعلائے کلمۃ الحق کی وہ عکاسی کی ہے کہ جانشین امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پورے کوائف مچل رہے ہیں۔
مولانا توصیف رضا خاں نے مجدّدیت پر ایسی دل افروز بحث کی ہے جس کو پڑھ کر دل باغ باغ ہوا جاتا ہے۔ مولانا ابوالحقانی نے اشعار کو احادیث مبارکہ کا قالب گردانتے ہوئے ''سامان بخشش'' کو حدیث پاک کی ترجمانی ثابت کیا ہے اور راقم الحروف نے بھی ہر ممکن کوشش کی ہے کہ سیدی مرشد اعظم کے کلام میں نئے گوشوں کی تلاش کی جائے۔ یہ سارے مقالے حضور مفتی اعظم کی حیات کے اجمالی گوشے ہیں۔

میں ان تمام مقالہ نگار حضرات کا رضا اکیڈمی کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ مگر بعض دیگر حضرات کے مقالے داخل اشاعت نہ ہو سکے کیوں کہ ان میں بعض حضرات کے مقالے تاخیر سے موصول ہوئے اور بعض حضرات نے سمیناری ہی میں مقالہ حاضر کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ تاہم، ہم ان کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

جشن صد سالہ کی تاریخیں ۱۱ ر ۱۲ ر ۱۳ ر رجب المرجب ۱۴۱۲ھ / ۱۷ ر ۱۸ ر ۱۹ ر جنوری ۱۹۹۲ء جوں جوں قریب ہوتی جارہی ہیں رضا اکیڈمی کے ارکان میں برق رفتاری آتی جارہی ہے۔ بمبئی کے ہر چہار جانب جشن کی گہما گہمی دیدنی ہے۔ اکیڈمی کے سخت کوش افراد نے عزم پیہم کیا ہے کہ ہم اپنے محسن کی یاد میں سرزمین بمبئی کو رشک کہکشاں کرکے چھوڑیں گے۔ ان کی یادوں کا طلسماتی اثر دلوں کو گرما رہا ہے اور مفتی اعظم کی روحانی تجلیاں قدم قدم پر رہنمائی کرتی ہوئی محسوس کی جارہی ہیں۔ ''تجلیات مفتی اعظم'' بھی اسی جشن کی ایک کڑی ہے۔ اکیڈمی نے جس حسن اہتمام سے جشن کو متنوع کیا ہے یہ بھی اسی کا حصہ ہے۔ اس بارے میں اکیڈمی کا ہر فرد مبارکبادی کا مستحق ہے مگر محترم جناب محمد سعید نوری بانیٔ رضا اکیڈمی خصوصاً اس مبارکبادی کے مستحق ہیں جنہوں نے جشن کے متعلق اپنی ساری فکری توانائی صرف کردی ہے۔

''تجلیات مفتی اعظم'' میگزین آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ آپ کو فیصلہ کرنا ہے کہ ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اس میں صحت کے تمام معیار کو برقرار رکھا گیا ہے پھر بھی بشری تقاضوں کے پیش نظر امکان سہو سے مفر نہیں اگر کہیں بھی کسی طرح کا کوئی سقم محسوس ہو تو اسے بشری تقاضوں پر محمول فرمائیں۔ ہمیں امید ہے کہ حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی حیات کا یہ جمالیاتی پہلو جس سے اس میگزین کو سنوارا گیا ہے ضرور پسند آئے گا۔

کچھ نہ کی اپنے جنون نارسا نے ورنہ یوں
ذرہ ذرہ روکش خورشید عالمتاب تھا (غالب)

اکیڈمی کی طرف سے تمام عالم اسلام کو جشن صد سالہ مبارک ہو

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ محمد وآلہ واصحابہ

واحزابہ واتباعہ اجمعین۔ آمین، آمین، آمین یارب العالمین۔

"مرتب غفرلہ"

استاذ ادب دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا بمبئی،

خطیب وامام اسٹیشن روڈ مسجد کرلا بمبئی۔

۷ رجب المرجب سنہ ۱۴۱۲ھ

۱۳ جنوری سنہ ۱۹۹۲ء

رضا اکیڈمی ایک اجمالی جائزہ

مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی
ایم۔ اے علیگ

بمبئی عظمیٰ ہندوستان کا ایک ایسا شہر ہے جو اپنی گوناگوں ثقافت و تہذیب اور کلچر کے اعتبار سے امتیازی شان رکھتا ہے۔ یہاں سے جو آواز اٹھتی ہے وہ دور دور تک سنی جاتی ہے۔ خود اس کی آبادی کا تناسب بعض ممالک کی آبادی کے برابر ہے۔ یہاں زندگی ہمہ دم متحرک رہتی ہے۔ ایسی گہما گہمی کہ ہر چہار سو آوازۂ حیات سنائی پڑے۔ ایسے ماحول میں اہلسنت وجماعت کے کئی ایک ادارے سرگرم عمل ہیں۔ مگر ۱۹۷۸ء کا دن ایک نئی تڑپ لیکر نمودار ہوا اور انھیں اداروں کے درمیان ایک اور ادارہ کی داغ بیل پڑ گئی۔ ''رضا اکیڈمی''، کس کو معلوم تھا کہ آج کا یہ نوخیز ادارہ ایک ہنگامہ فکر بپا کرنے والا ہے۔ ہر ادارہ کا اپنا دائرۂ عمل تھا جس میں وہ سرگرم تھا۔ اسی طرح ''رضا اکیڈمی'' کا بھی ایک دائرۂ کار ابھر کر نظروں میں آیا۔ اہلسنت وجماعت کی فکری اساس سے لوگوں میں نئی اٹھان بخشنا، اصلاح عقائد و عمل میں تیزی لانا، مختلف زبانوں میں اہلسنّت وجماعت کے لٹریچر کی اشاعت کرنا، خصوصاً امام اہلسنت مجدد دین و ملت شاہ احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ والرضوان کی فکر انگیز تصانیف کو منظر عام پر لانا اور ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان''، کو صحت کے ساتھ شائع کرنا۔ نیز بزرگانِ دین کی تقریبات منعقد کرنا''

انھیں عوامل کے پس منظر میں ،، رضا اکیڈمی ،، وجود میں آئی اور دیکھتے دیکھتے اپنی ساکھ بحال کرگئی۔ ملک و بیرون ملک میں اپنے دائرہ کار کی گہری چھاپ بٹھا گئی۔ معلوم ہوا ہے کہ قدوۃ العلماء، زبدۃ الاصفیا عارف باللہ علامہ اجل شہزادۂ امام احمد رضا شاہ مصطفےٰ رضا قادری برکاتی ،، مفتی اعظم ہند،، علیہ الرحمہ نے اس کو اپنی مخصوص دعاؤں سے نوازہ۔ پھر کیا تھا مرد حق آگاہ کی دعائے نیم شبی نے وہ اثر کیمیا دکھایا کہ ۱۲ سال کی قلیل مدت میں رضا اکیڈمی کہکشاں کا جمال سمیٹ گئی۔ اور ابتک تقریباً چھوٹی بڑی ۵۹ کتابیں شائع کر چکی ہے۔ جن میں ،، ترجمہ کنز الایمان ،، (از امام اہلسنت علیہ الرحمہ) کے اردو اور انگریزی ایڈیشن، بخاری شریف، ہر دو جلد، فتاویٰ رضویہ جلد اول، الامن والعلیٰ، اور سرور القلوب (از والد ماجد اعلیٰحضرت علیہما الرحمہ) خصوصیت کی حامل ہیں ـــــ مگر ـــــ ان تصنیفات کی اشاعت کے ان مخفی گوشوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں کی اکثر کتابیں مفت تقسیم کی گئیں۔ حتیٰ کہ ،، بخاری شریف کامل ،، بھی علمائے کرام، مدارس اہلسنت وجماعت دارالافتا اور لائبریریوں کو مفت دی گئی۔

اپریل ۱۹۸۰ء کا مبارک و مسعود دن جس دن ،، رضا اکیڈمی ،، نے پہلی بار ،، ترجمہ کنز الایمان ،، کا اجرا کیا تو اس کی صدارت نبیرۂ اعلیٰحضرت، ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں رحمانی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے کی اور رسم اجرا خلیفۂ امام اہلسنت برہان ملت حضرت علامہ شاہ برہان الحق رضوی علیہ الرحمہ نے فرمائی۔ جب اس کا ایک مطبوعہ نسخہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو بریلی شریف میں پیش کیا گیا تو مسرتوں کی کیفیت دیدنی تھی۔ دعاؤں کیلئے ہاتھ اٹھے اور

دیر تک رضا اکیڈمی کی فلاح و کامیابی کی دعا فرماتے رہے۔ باب اجابت سے دعا کی قبولیت کا پورا اثر لمحہ لمحہ ظاہر ہوتا گیا اور رضا اکیڈمی میدان عمل میں روز بروز ترقی کرتی رہی۔ اس کے علاوہ جن مقدس نفوس قدسیہ کو ترجمہ کنزالایمان پیش کیا گیا ان میں خلیفہ امام اہلسنت قطب مدینہ حضرت علامہ شاہ ضیاالدین مدنی، حضرت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن مجاہد ملت، قاری مصلح الدین (پاکستان) خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہم الرحمہ والرضوان قابل ذکر ہیں چنانچہ خطیب مشرق نے اپنے جریدہ "ماہنامہ پاسبان الٰہ آباد" کے فروری ۱۹۸۴ء کے شمارہ میں خصوصی کالم تحریر فرمایا اور مستقبل کی تعمیراتی نشاندہی فرماتے ہوئے لکھا کہ:

"رضا اکیڈمی، مستقبل میں امام اہلسنت کے مشن کو لیکر سورج کی طرح چمکے گی"

مگر ــــ رضا اکیڈمی نہ صرف نشریاتی شعبے تک محدود رہی بلکہ اس نے بمبئی کی ہنگامہ خیز فضا میں ایک اور تابناک نقش چھوڑا کہ ہواؤں کے رخ پر ابھرنے والے طاغوتی مرغولوں سے پنجہ بھی ملانا شروع کر دیا اور اس کی صدائے بازگشت ایک مستحکم اصول فراہم کرتی ہوئی ایوانوں میں بھی سنی جانے لگی۔ چنانچہ جب سعودی وہابی حکومت نے اپنے ناکام اور انتہائی گمراہ کن خیالات گنبد خضریٰ کا انہدام کو بین الاقوامی طور پر شائع کر کے اپنے نمک خواروں سے جواز کی تائید حاصل کرنا چاہ رہی تھی تو رضا اکیڈمی میدان میں اتر گئی اور اس گندے نظریئے کے خلاف نہ صرف صدائے احتجاج بلند کیا بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن کر ایک تحریک آفریں قدم اٹھایا اور اس ناپاک سازش کا بخیہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اسی طرح جب ۱۹۸۶ء

میں تاج الاسلام حضرت علامہ شاہ مفتی اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری مدظلہ العالی کو نجدی حکومت نے گرفتار کیا اور بغیر حج کئے واپس کر دیا تو بین الاقوامی سطح پر سعودی حکومت کے خلاف تحریک چلایا اور احتجاجی جلوس بھی نکالا، پھر بمبئی میں جب ۱۹۸۴ء میں فساد ہوا تو رضا اکیڈمی نے کوئی ڈیڑھ لاکھ روپئے کی ریلیف بھی تقسیم کی، اور ابھی ۱۹۹۱ء میں جب عراق کے خلاف امریکی صہیونیت نے سعودی حکومت کے ساتھ تقریباً ۲۸ ملکوں کی وفاقی فوج کے ذریعہ بغداد معلّٰی کی سرزمین پر حملہ کیا تو اکیڈمی نے ایک لاکھ رضا کار تحفظ بغداد شریف کیلئے حکومت ہند سے بھیجنے کی اجازت چاہی مگر حکومت نے اس کو منظور نہ کیا۔ تو تنظیمات اہلسنت کے ساتھ مل کر سعودی اور امریکہ نیز اتحادیوں کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا اور ایک احتجاجی جلوس بھی نکالا، ان تمام سرگرمیوں کے علاوہ مذہبی تقریبات مسلسل منعقد کر رہی ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے عرس چہلم کے موقعہ پر جب بمبئی میں ایک اہم تقریب منعقد ہوئی تو رضا اکیڈمی نے اس میں بھی بھرپور تعاون کیا پھر ۱۹۸۳ء میں مفتی اعظم کانفرنس کر کے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا، نیز ۱۹۸۲ء سے ہی حضرت علیہ الرحمہ سے منسوب "نوری محفل" کا قیام ہوا۔ جو ہر جمعرات کو منعقد ہوتی ہے جس میں حضور سیدی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توشہ شریف کا مسلسل اہتمام کیا جا رہا ہے۔ ارباب محبت وعقیدت اس میں حاضری دے کر عرفان قلب حاصل کرتے ہیں۔ ابتک جن چند مشہور شخصیتوں نے اس میں شرکت کی ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں

(۱) حضور برہان ملت (۲) حضرت رحمانی میاں (۳) قاری مصلح الدین (پاکستان)

(۴) حضرت نظامی صاحب (۵) مولانا محمد شفیع اوکاڑوی (پاکستان) علیہم الرحمۃ والرضوان (۶) حضرت سید حسن میاں مارہرہ شریف (۷) حضرت ازہری میاں بریلی شریف (۸) حضرت مفتی شریف الحق امجدی (۹) حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری (۱۰) حضرت عزیز ملت علامہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (۱۱) حضرت علامہ ارشد القادری (۱۲) مولانا قمر رضا خاں بریلی شریف (۱۳) مولانا منان رضا خان (۱۴) مولانا محمد حسین ابوالحقانی (۱۵) مولانا سبحان رضا (۱۶) مولانا بدر الدین رضوی (مصنف سوانح اعلیٰحضرت) (۱۷) مولینا توصیف رضا (۱۸) مولانا عبد الوحید ربانی (پاکستان) (۱۹) سید عبد العلیم قادری (خلیفۂ حضور مفتی اعظم) (۲۰) حضرت علامہ شاہ احمد نورانی (جمعیۃ علمائے پاکستان) (۲۱) مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی (لندن) (۲۲) مولانا عبد الباری افریقی۔ (۲۳) مولانا عبد الحمید افریقی (۲۴) مولانا یٰسین اختر مصباحی (۲۵) مولانا عبد المبین نعمانی (۲۶) مولانا سید محمد ہاشمی کچھوچھہ شریف (۲۷) مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم بریلی شریف (۲۸) مولانا مفتی محمد اعظم (۲۹) مولانا خالد علی خاں (۳۰) مفتی جہانگیر۔

کسی بھی ادارہ کی کوئی منتظمہ ہوتی ہے۔ اسی طرح رضا اکیڈمی کی بھی ایک منتظمہ ہے۔ جس کے ذریعہ اس کی سرگرمیاں منصۂ شہود آتی ہیں۔ مگر اس قدر حیرت انگیز کاناموں پر نظر ڈالنے کے بعد جب اس کی منتظمہ پر نظر پڑتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کاموں کی تفصیلات کے پیش نظر یہ مختصر انتظامی ڈھانچہ ناکافی ہوگا مگر حقیقت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ کہ یہی چند سرفروش وہ ہیں جنہوں نے اپنی حرارت ایمانی کی وجہ سے ایک ہمہ گیر

تحریک کو سنبھال رکھا ہے۔ اور وہ نہ صرف ترقی پر ہے بلکہ سرعتِ رفتار کا یہ حال کہ ثریا پر کمند ڈالنے کا عزم راسخ رکھتی ہے۔ عملی میدان کی وہ تمام صلاحیتیں ان مردان وفاکیش کا وطیرہ ہیں۔ کہ جب بھی مسلک و مذہب پر آنچ آنے کا وقت ہوتا ہے تو ان کا سینہ تپش عشق محمدی سے آتش فشاں بن جاتا ہے اور دیکھتے دیکھتے ان کا جنون وفا شعار مقاصد کی بلندیاں چھو لیتا ہے۔

اب ذرا رضا اکیڈمی کی منتظمہ کے جیالے افراد پر نظر ڈالئے تو آپ کی نگاہیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی:

(۱)	جناب شفیع احمد رضوی	صدر رضا اکیڈمی	۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ ممبئی ۳
(۲)	جناب محمد سعید نوری	بانی و جنرل سکریٹری	,, ,, ,,
(۳)	جناب عبد الغفار رضوی	بابو بھائی خازن	,, ,, ,,
(۴)	جناب عبد المجید رضوی	موتی والے	,, ,, ,,
(۵)	جناب محمد ابراہیم رضوی	طائی جوائنٹ سکریٹری	,, ,, ,,
(۶)	جناب محمد رفیق رضوی	ایم۔ ای سارنگ مارگ، جھنڈہ گلی ممبئی ۳	

بانی رضا اکیڈمی محترم جناب محمد سعید نوری صاحب ابھرتے ولولوں کا ایک پیکر ہیں۔ جن کی فکری توانائی تحریکات کی ہر منزل کو سر کرنے کے درپے رہتی ہے ان کو سخت کوشی اور محنت سے تکان نہیں ہوتی، مختصر تن و توش کے آدمی مگر جذبات کی آہنگی کا حال یہ کہ مشکلیں آسان بنانا ان کو اسی طرح آتا ہے جیسے کسی بلند قامت کی جسمانی انرجی کا حال ہوتا ہے۔

چنانچہ سعید نوری صاحب نے ۱۹۹۰ء میں پاکستان کراچی اور دبئی کا ایک عظیم الشان مذہبی دورہ کیا جس میں ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اور

رضا اکیڈمی کی کارکردگی کو بہت سراہا گیا۔ فالحمد للہ علی کرمہ

اب ۱۷، ۱۸، ۱۹ جنوری ۱۹۹۲ء کو عالمی سطح پر رضا اکیڈمی ایک انتہائی وقیع پروگرام "جشن صد سالہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ" منعقد کر رہی ہے۔ جس میں مختلف ممالک کے مذہبی مندوبین شرکت کر رہے ہیں۔ خدائے قدیر "رضا اکیڈمی" کو ذروۂ کمال پر پہنچائے اور آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ فرمائے، آمین، آمین، آمین یارب العلمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تبرکات

کلام رضاؔ

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گل
پامال جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل

جنت ہے ان کے جلوے سے جویائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوالِ گل

ان کے قدم سے سلعۂ غالی ہوئی جناں
واللہ میرے گل سے ہے جاہ و جلالِ گل

سنتا ہوں عشقِ شاہ میں دل ہو گا خوں فشاں
یارب یہ مژدہ سچ ہو مبارک ہو فالِ گل

غمگیں ہے شوقِ غازۂ خاکِ مدینہ میں
شبنم سے دھل سکے گی نہ گردِ ملالِ گل

یارب ہرا بھرا رہے داغِ جگر کا باب
ہر مہ، مہِ بہار ہو ہر سال سالِ گل

رنگِ مژہ سے کر کے خجل یادِ شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل

ہیں عکسِ چہرہ سے لبِ گلگوں میں سرخیاں
ڈوبا ہے بدرِ گل سے شفق میں ہلالِ گل

شیخین ادھر نثارِ غنی و علی اُدھر
غنچہ ہے بلبلوں کا یمین و شمالِ گل

دیکھا تھا خوابِ خارِ حرم عندلیب نے
کھٹکا کیا ہے آنکھ میں شب بھر خیالِ گل

ان دو کا صدقہ جن کو کہا میرے پھول ہیں
کیجے رضاؔ کو حشر میں خنداں مثالِ گل

(حدائقِ بخشش)

تبرکات

کلام نوری

بہارِ جانفزا تم ہو نسیم داستاں تم ہو
بہارِ باغِ رضواں تم سے ہے زیبِ جناں تم ہو

حبیبِ ربِ رحماں تم مکینِ لامکاں تم ہو
سرِ ہر دو جہاں تم ہو شہِ شاہنشہاں تم ہو

خدا کی سلطنت کا دو جہاں میں کون دعویٰ ہے
تم ہی تم ہو، تم ہی تم ہو، یہاں تم ہو وہاں تم ہو

تمہارا نور ہی ساری ہے ان ساری بہاروں میں
بہاروں میں نہاں تم ہو بہاروں سے عیاں تم ہو

مجسم رحمتِ حق ہو کہ اپنا غم نہ اندیشہ
مگر ہم سے سیہ کاروں کی خاطر یوں رواں تم ہو

کجا ہم خاک افتادہ کجا تم اے شہِ والا
اگر مثلِ زمیں ہم ہیں تو مثلِ آسماں تم ہو

یہ کیا میں نے کہا مثلِ سما تم ہو معاذ اللہ
منزہ مثل سے، برتر ز ہر وہم و گماں تم ہو

میں بھولا آپ کی رفعت سے نسبت ہی ہمیں کیا ہے
وہ کہنے بھر کی نسبت ہے کہاں ہم میں کہاں تم ہو

دکھائے لاکھ آنکھیں مہرِ محشر کچھ نہیں پروا
خدا رکھے تمہیں تم ہو مرے امن و اماں تم ہو

ثنا منظور ہے ان کی نہیں یہ مدعا نوری
سخن سنج و سخنور ہو سخن کے نکتہ داں تم ہو

(سامانِ بخشش)

مفتیٔ اعظم کا محدثانہ منصب

علامہ ارشد القادری نائب صدر ورلڈ اسلامک مشن
بریڈفورڈ لندن۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ حدیث کے ساتھ فقہ کا تعلق لازم وملزوم کی طرح ہے۔ لہٰذا مفتی کیلئے اگر فقیہ ہونا ضروری ہے تو فقیہ کیلئے محدّث ہونا بھی لازمی ہے لیکن محدّث کیلئے فقیہ ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ یہ بات ذہن نشین ہوگئی ہو تو فن حدیث میں مفتی اعظم کے رسوخ و تبحر کی نہ بھی صراحت کی جائے جب بھی یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ فن حدیث میں بھی ان کا مقام وہی ہے جو فقہ میں انھیں حاصل تھا ـــــ! میرا موضوع سخن مفتی اعظم کے فقہی مقام کی وضاحت نہیں ہے ورنہ ان کے فتاوے کے مجلدات سے میں ان مباحث کی نشاندہی کرتا جن سے مہر نیمروز کی طرح واضح ہو جاتا کہ فقہ میں ان کے رسوخ و تبحر، انکی مجتہدانہ بصیرت اور ان کی ذکاوت و استحضار کی شان کتنی بلند ہے۔ لیکن مجھے اپنے عنوان کے مطابق حضور مفتی اعظم کے محدثانہ منصب پر ایک حیرت انگیز بحث کا آغاز کرنا ہے اس لئے میں اصل موضوع کی طرف اپنے قلم کا رُخ پھیرتا ہوں۔

علمی بحث کی ایک عظیم تاریخ

۱۳۳۲ھ کی بات ہے کہ اذان خطبہ کے مسئلے پر اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کے ایک فتوے سے علمائے بدایوں و رامپور نے اختلاف کیا۔ اس مسئلے میں اعلیٰحضرت کا موقف یہ تھا کہ آذان خطبہ خارج مسجد منبر کے سامنے دیجائے اور مخالفین کا کہنا

تھا کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے سامنے دی جائے۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف کی تائید میں اقوال ائمۂ احناف کے علاوہ جن احادیث کریمہ سے استدلال فرمایا تھا ان میں سنن ابو داؤد کی وہ حدیث بھی جو حضرت ثابت بن یزید سے مروی ہے۔ اور جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اذان خطبہ عہد رسالت سے لے کر صحابہ تک مسجد کے باہر دروازے پر دی جاتی تھی جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اذان خطبہ کا خارج مسجد ہونا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنّت ہے اور خلفائے راشدین کی بھی۔

مخالفین ثابت حدیث کا تو انکار نہیں کر سکے کہ وہ کتاب میں موجود ہے البتہ جب ان کے لئے کوئی چارہ نہیں رہ گیا تو اس حدیث کو بے اثر کرنے کیلئے مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اپنے ضعف کی وجہ سے وہ قابل استدلال نہیں ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تھانوی صاحب کانپور میں رہتے تھے ــــــ ضعف کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی کہ اس حدیث میں محمد بن اسحٰق نام کے ایک راوی ہیں جو ائمۂ جرح و تعدیل کے نزدیک یا تو کذّاب ہیں یا مُتّہم بالکذب ہیں۔

ایک جلیل القدر تابعی کی ذات پر تھانوی صاحب کا یہ جارحانہ حملہ حضور مفتی اعظم کی غیرت دینی برداشت نہیں کر سکی۔ انہوں نے اسی عالم کرب میں قلم اٹھایا اور تھانوی صاحب کے استدلال کی دھجّی اڑا دی۔ ”وقایۃ اھل السُّنّۃ،، کے نام سے حضور مفتی اعظم کی یہ گرانقدر تصنیف آج بھی اہل علم کے کتبخانوں میں موجود ہے۔ کتاب کھولتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور مفتی اعظم کے نوک قلم کا ہر قطرہ علم و تحقیق کا بحر ذخار بن کر کتاب کے صفحات پر پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ جو ورق اُلٹیے

فن حدیث کے نت نئے جلوؤں سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ عقل حیران ہے کہ صرف جرح و تعدیل کے ایک مسئلے میں جس کی وسعت معلومات اور دقت نظر کا یہ عالم ہے، فن حدیث میں اس کے احاطۂ علم و فکر کی وسعتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے

اب آئیے۔ ! دیدۂ شوق وا کیجئے اور علم و فن کے ایک مہکتے ہوئے گلشن کی سیر کیجئے۔ تاکہ حضور مفتی اعظم کے متعلق میرا یہ دعویٰ کہ جس شان کے وہ مفتی تھے اسی شان کے وہ محدّث بھی تھے، ”شنیدہ“ سے ”دیدہ“ کی منزل میں آجاتے۔

حضور مفتی اعظم اس بحث کا آغاز کرتے ہوئے تھانوی صاحب کے خلاف ان لفظوں میں الزام عائد کرتے ہیں۔

”جان توڑ یہ کوشش کی کہ کسی طرح مدینہ طیبہ کے ایک جلیل القدر تابعی امام المغازی محمد بن اسحٰق کو کذّاب یا متّہم بالکذب ثابت کرے۔“

الزام کی وضاحت کے بعد اب جواب کے مراحل کا آغاز یوں کرتے ہیں۔

بحث کا پہلا مرحلہ

”سنی بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ حنفیوں کے امام مذہب تین ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ اور انکے دو مصاحب امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہم“

اس تمہید کے بعد اب ضرب ملاحظہ ہو

یہ محمد بن اسحٰق جن پر تھانوی صاحب نے کذّاب ہونے کی تہمت باندھی ہے یہ امام اعظم کے استاد بھائی اور امام ابو یوسف کے استاد اور امام محمد کے استاذ الاستاذ ہیں۔ یوں ہی امام اعظم کے تلمیذ رشید اور محدثین و فقہاء کے متفق علیہ امام حضرت عبد اللہ مبارک نے بھی ان کی شاگردی کی ہے۔

(۲)

امام ابو یوسف نے اپنی مشہور تصنیف کتاب الخراج میں بہت سی حدیثیں محمد بن اسحٰق سے روایت کی ہیں۔ کتاب کے صرف پہلے حصہ میں یہ سات حدیثیں مروی ہیں

(۱) حدثنی محمد بن اسحٰق حدثنی عبد اللہ بن المغیرۃ۔ — مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا وہ عبد اللہ بن مغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۲) حدثنی محمد بن اسحٰق عن عبد السلام عن الزھری۔ — مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا، وہ عبد السلام سے اور ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں

(۳) حدثنی محمد بن اسحٰق عن یزید بن یزید بن جابر۔ — مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا، وہ یزید بن یزید بن جابر سے روایت کرتے ہیں۔

(۴) اخبرنی محمد بن اسحٰق عن ابی جعفر۔ — مجھے محمد بن اسحٰق نے خبر دی وہ ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) حدثنی محمد بن اسحٰق عن الزھری۔ — مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا وہ زہری سے روایت کرتے ہیں۔

(۶) حدثنی محمد بن اسحٰق عن الزھری۔ — مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا وہ ابن شہاب زہری سے روایت

(۷) حدثنی محمد بن اسحٰق عن الزھری۔ — مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا وہ ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ کتاب الخراج کے صرف پہلے حصہ سے یہ سات حدیثیں نقل کی گئی ہیں جنہیں حنفی مذہب کے رکن رکین امام ابو یوسف نے محمد بن اسحٰق سے روایت کی ہیں۔

(۳)

حنفیہ کے محدث اجل واکبر حضرت امام ابو جعفر طحاوی کہ تیسری صدی میں تھے

اوراس وقت سے آج تک حدیث وفقہ کا ایسا جامع امام شاذ ونادر ہی پیدا ہوا، وہ بھی محمد بن اسحٰق کی روایت کردہ حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔

چنانچہ کتاب الحجۃ علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکۃ عنوۃ نامی کتاب کی دوسری جلد میں ان سے ایک حدیث روایت کرکے فرماتے ہیں۔

ھذا حدیث متصل الاسناد صحیح ۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد متصل ہے۔

(۴)

مذہب حنفی کے رکن جلیل القدر محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اما ابن اسحٰق فثقة ثقة لاشبهة عندنا فی ذالك ولا عند المحققین۔

ابن اسحٰق ثقہ ہیں ثقہ ہیں اس بات میں نہ ہمیں کوئی شبہ ہے اور نہ محققین محدثین کو کوئی شک ہے۔

نیز اسی کتاب کے صـ۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

توثیق ابن اسحٰق هو الحق الابلج ومانقل عن کلام مالك فیه ان ثبت ولو صح لم یقبله اهل العلم وقد قال شعبة فیه هو امیر المومنین فی الحدیث۔

ابن اسحٰق کو ثقہ ماننا ہی نہایت روشن حق ہے اور امام مالک سے جو ان پر طعن منقول ہوا یا تو وہ ثابت اور صحیح نہیں اور صحیح بھی فرض کرلیں تو اہل علم نے وہ طعن قبول نہیں کیا اور کیونکر قبول ہو جبکہ امام شعبہ نے فرمایا کہ محمد بن اسحٰق حدیث میں سارے مسلمانوں کے سردار ہیں۔

نتیجۂ استدلال

پہلے مرحلے کی ان ساری عبارتوں سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ تھانوی صاحب کے الزام کے مطابق اگر ابن اسحٰق واقعی کذّاب یا متّہم بالکذب ہوتے تو ان سارے ائمۂ احناف نے نہ ان کی شاگردی کی ہوتی اور نہ اپنی اپنی کتابوں میں ان سے حدیثیں روایت کی ہوتیں۔ اس لئے دوسرے لفظوں میں تھانوی صاحب کا الزام صرف ابن اسحٰق کے خلاف نہیں بلکہ سارے احناف کے خلاف ہے۔ اور انہوں نے غیر مقلدین وہابیہ کو موقع فراہم کیا ہے کہ وہ حنفی مذہب پر طعن کریں کے اس مذہب کے ائمہ جھوٹے اور غیر ثقہ لوگوں کے شاگرد ہیں اور انھیں جھوٹے راویوں کی حدیثوں پر حنفی مذہب کی اساس ہے۔

بڑے شرم کی بات ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو حنفی بھی کہتے ہیں اور حنفی مذہب کی بنیاد پر تیشہ بھی چلا رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں کہنے دیا جائے کہ محمد بن اسحٰق کے خلاف تھانوی صاحب کا طعن ایک بار نہیں ایک ہزار بار رد کر دیا جائے گا لیکن انکے حق میں امام اعظم سے لے کر اکابر ائمۂ احناف تک سارے اساطین کی رائے ہرگز ہرگز مسترد نہیں کی جا سکتی۔

⑤

تھانوی صاحب کے طن سے خود حنفی مذہب پر جو ضرب پڑتی ہے اسکی تفصیلی بحث سے فارغ ہونے کے بعد اب حضور مفتی اعظم بحث کا ایک دوسرا رخ اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"تھانوی صاحب کی یہ عنایت فقط ائمہ احناف ہی پر نہیں ہے بلکہ انھوں نے صحاح ستہ کو بھی نہیں بخشا ہے۔ کیوں کہ محمد بن اسحٰق کی روایت کردہ حدیثیں صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں تعلیقاً ہے اور صحیح مسلم و سنن اربعہ میں مسنداً ہیں۔"

"امام ترمذی نے ابن اسحٰق کی حدیثوں کو صحیح کہا ہے۔ اور ابو داؤد نے ان کی روایت کردہ حدیثوں پر سکوت فرمایا ہے۔ خود یہ حدیث کہ زمانۂ اقدس میں اذان جمعہ دروازہ مسجد پر ہوتی تھی اسے بھی ابو داؤد نے روایت کرکے سکوت فرمایا ہے۔ اور اسی کتاب میں ان کی یہ عادت بھی منقول ہے کہ وہ انہی حدیثوں پر سکوت فرماتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہیں

"علاوہ ازیں اکابر ائمہ حدیث جیسے امام عبد العظیم منذری، امام ابو عمرو، ابن الصلاح، امام اجل ابو زکریا نووی، امام جمال الدین زیلعی امام علاؤ الدین ترکمانی، امام ابن ھمام، امام ابن امیر الحاج، اور علامہ ابراہیم حلبی نے بھی ان کی اس عادت کے بارے میں اسی طرح کی تصریحات فرمائی ہیں۔

بطور نمونہ ان اکابر کی چند عبارتیں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

① امام حافظ الحدیث عبد العظیم کتاب الترغیب والترہیب کے خطبہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

کل حدیث عزوت الی ابی داود وسکت فھو کما ذکر ابو داود	(اپنی اس کتاب میں) جس حدیث کی نسبت میں ابو داود کی طرف کروں اور خاموش رہوں تو

لایزال عن درجۃ الحسن و قد یکون علی شرط الصحیحین

ابوداود کی صراحت کے مطابق وہ حسن ہے اور کبھی صحیحین کی شرط پر بھی ہوتی ہے۔

(۲) امام ابن الصلاح مقدمۂ اصول حدیث میں تحریر فرماتے ہیں۔

وما وجدناہ فی کتابہ مذکورًا مطلقا عرفنا انہ حسن عند ابی داود۔

ان کی کتاب میں جو حدیث مجھے بغیر کسی صراحت کے ملی، اس کے متعلق میں نے یہی سمجھا کہ وہ حسن ہے ابوداود کے نزدیک۔

(۳) امام نووی تقریب نوع ثانی فرع اول میں فرماتے ہیں۔

ما وجدناہ فی کتابہ مطلقا فھو حسن عند ابی داؤد۔

ان کی کتاب میں جو حدیث بغیر کسی تبصرہ کے ملے وہ ابوداود کے نزدیک حسن ہے۔

(۴) امام زیلعی نصب الرایہ جلد اول میں فرماتے ہیں۔

ان ابا داؤد روی حدیث القلتین وسکت عنہ فھو حسن عندہ علی عادتہ فی ذالک۔

ابوداؤد نے قلتین کی حدیث روایت کی اور اس پر خاموش رہے تو وہ تو وہ ان کی عادت کے مطابق حسن ہے۔

(۵) امام ابن الترکمانی جواہر النقی کی جلد اول میں فرماتے ہیں۔

اخرجہ ابوداود وسکت عنہ فاقل احوالہ ان یکون حسنا عندہ علی ما عرف۔

اس حدیث کی تصریح ابوداؤد نے فرمائی اور خاموش رہے تو ایسی حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہے جیسا کہ ان کی مشہور عادت ہے۔

(۶) امام ابن الہمام فتح القدیر جلد اول میں فرماتے ہیں۔

سکت علیہ ابوداؤد فھو حجۃ۔

اس حدیث پر ابوداؤد خاموش رہے تو ایسی حدیث حجت ہے

(۷) امام زین الدین عراقی استاذ امام حافظ الشان عسقلانی، پھر شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

یکفینا سکوت ابی داود فھو حسن — ابوداود کا اس حدیث پر خاموش رہنا اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ حسن ہے۔

(۸) امام ابن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ میں قبیل صفۃ الصلوٰۃ تحریر فرماتے ہیں۔

رواہ ابوداود وسکت علیہ — یہ حدیث ابوداود نے روایت کی اور اس پر خاموش
فیکون حجۃ علیٰ ماھو مقتضیٰ شرطہ — رہے تو ان کی شرط کے مقتضیٰ کے مطابق وہ حجت ہے

(۶)

بحث کا دوسرا رخ

یہاں تک تو محمد ابن اسحٰق کے خلاف تھانوی صاحب کے طعن کا الزامی جواب تھا۔ اب تحقیقی جواب ملاحظہ فرمائیے ـــــ حضور مفتی اعظم طعن کی علمی اور فنی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"تھانوی صاحب نے جتنے طعن محمد بن اسحٰق پر نقل کئے ہیں یا تو وہ سرے سے طعن ہی نہیں ہیں، یا قائل کی طرف انکی نسبت غلط ہے، یا قائل نے اس سے رجوع کر لیا ہے، یا وہ طعن مبہم غیر مفسر ہے۔

مطاعن ابن اسحٰق میں جتنے اوراق انھوں نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کئے ہیں وہ ان چار وجوہ سے خالی نہیں ہیں۔ پہلی تین قسمیں تو کسی بھی عاقل کے نزدیک طعن ہی نہیں ہیں۔ اب رہ گئی

چوتھی قسم تو تمام احناف کا اجماع اور جمہور اکابر ائمہ محدثین کا اتفاق ہے کہ چوتھی قسم بھی زنہار مقبول و مسموع نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ محمد بن اسحٰق جیسے مشہور محدّث کے حق میں جن کو جماہیر ائمہ حدیث و جملہ ائمہ حنفیہ نے مقبول و مستند اور ثقہ و معتمد مانا ہے ۔۔ ،،

بحث کا دوسرا مرحلہ

محمد بن اسحٰق کے دفاع میں بہت سے ذیلی مباحث سے فارغ ہونے کے بعد اب حضور مفتی اعظم نے اُن ماخذ کی طرف اپنے قلم کا رُخ پھیرا ہے جہاں سے تھانوی صاحب نے طعن کے مواد فراہم کئے ہیں۔

آخذ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

,, جن کتابوں سے دیوبندی مصنف نے محمد بن اسحٰق کے خلاف ضعیف و غیف اور ناقابل التفات جرح کے مراد جمع کئے ہیں وہ چار ہیں۔ میزان الاعتدال۔ تہذیب التہذیب۔ الترغیب والترہیب اور جواہر النقی۔

پیارے بھائیو ! اب ہم انہی کتابوں سے جن کے نام دیوبندی مصنف نے لئے ہیں محمد بن اسحٰق کی مدح و توثیق میں وہ روشن عبارتیں نقل کرتے ہیں جنہیں از راہ خیانت چھپا لیا گیا ہے۔ اسے کمال بد دیانتی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ انہی کتابوں میں

محمد بن اسحٰق کی مدح و ستائش اور صلاح و تقویٰ کے بیان میں جو ورق اکابر ائمہ کے ارشادات سے چمک رہے ہیں، ان کا تو کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ چند بے بنیاد اور نامقبول مطاعن کو بنیاد بنا کر ان الفاظ میں مضحکہ خیز قیاس آرائی کی گئی ہے۔

"ان ائمہ محدثین کی جرح بالکل معدوم نہ ہو جائیں گی اس لئے اگر محمد ابن اسحٰق کذاب نہ ہوگا تو متہم بالکذب ضرور ہوگا۔ بدعتی نہ ہوگا تو متہم بالبدعۃ ضرور ہوگا۔"

کسی کے خلاف الزام ثابت کرنے کیلئے اگر دلیل کا معیار یہی ہے تو چھوٹوں کی بات تو درکنار، ائمہ حدیث و فقہ کے اکابر میں بھی کوئی ایسا نہیں ملیگا جس کے خلاف نحیف و سخیف قسم کے دو چار طعن کتابوں میں منقول نہ ہوں۔ اس لئے کسی کے بارے میں فیصلے کا مدار دراصل یہ ہے کہ جمہور اکابر ائمہ کی رائے اس کے بارے میں کیا ہے؟۔

اتنی تمہید کے بعد اب مذکورہ بالا چاروں کتابوں سے محمد ابن اسحٰق کے حق میں جمہور اکابر ائمہ حدیث کے کلمات توثیق و تحسین ملاحظہ فرمائیں یا تھے کی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کریں کہ محمد بن اسحٰق کو مطعون کرنے کیلئے تھانوی صاحب کو تنکے تو نظر آ گئے لیکن ان کی دیانت و ثقاہت اور فضل و تقویٰ کے یہ بڑے بڑے پہاڑ نظر نہیں آئے۔

(۱)

میزان الاعتدال، جلد دوم کے اقتباسات

نوٹ: عوام کی سہولت اور طوالت سے بچنے کیلئے کتاب کے عربی اقتباسات کے صرف ترجمے پیش کئے جارہے ہیں۔

(۱) مصنف کتاب ارشاد فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق مدنی، مشاہیر ائمہ حدیث میں سے ایک مشہور امام ہیں۔ انہوں نے جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے۔

(۲) امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ محمد بن اسحٰق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔

(۳) امام بخاری کے استاد حضرت امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ابن اسحٰق ثقہ ہیں۔ ہاں اس پایہ کے نہیں ہیں جنہیں محدثین کے اصطلاح میں حجت کہا جاتا ہے۔

(۴) امام بخاری کے استاد امام علی بن مدینی نے فرمایا کہ ابن اسحٰق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

(۵) یحییٰ بن کثیر وغیرہ کہتے ہیں کہ ہم نے امام شعبہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابن اسحٰق حدیث میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔

(۶) امام شعبہ نے فرمایا کہ ابن اسحٰق بہت ہی راست گو اور سچے ہیں۔

(۷) محمد بن عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ابن اسحٰق پر قدریہ مذہب کی تہمت رکھی ہے حالانکہ وہ اس سے بہت دور تھے۔

(۸) امام ابن مدینی نے فرمایا کہ میں نے ابن اسحٰق کی صرف دو حدیثیں غیر محفوظ پائیں۔

فائدہ انھوں نے وہ دو حدیثیں بھی بیان کر دیں جن میں اذان خطبہ کی حدیث نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اذان خطبہ کی حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔

اب رہ گیا ان کی روایت کردہ حدیثوں میں سے صرف دو حدیثوں کا غیر محفوظ ہونا، تو دنیا میں ایسا کوئی محدّث نہیں ملیگا جس کی روایت کردہ ہزاروں حدیثوں میں سے دو چار حدیثیں بھی غیر محفوظ نہ ہوں۔ جیسا کہ ائمہ حدیث نے امام مالک اور امام بخاری کی روایت کردہ بعض حدیثوں کو بھی غیر محفوظ بتایا ہے۔ اس کے باوجود یہ حضرات سب کے نزدیک ثقہ ہیں۔

(۹) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہ سُنا کہ ابن اسحٰق پر کسی بات میں کچھ طعن کرتا ہو سوائے قول قدر کے (حالانکہ وہ بھی صحیح نہیں ہے)

(۱۰) امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں سارے ضعیف راویوں کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن اُس میں محمد بن اسحٰق کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری کے نزدیک وہ ضعیف نہیں ہیں۔

(۱۱) حضرت عباس دوری امام ابن معین سے روایت کرتے ہیں کہ امام لیث بن سعد نے فرمایا کہ یزید بن ابی حبیب کی احادیث میں محمد بن اسحٰق سے زیادہ کوئی قابل اعتماد نہیں ہے۔

فائدہ امام اجل لیث بن سعد خود یزید بن ابی حبیب کے تلامذہ میں سے ہیں اور ان کے متعلق ابن یونس کہتے ہیں کہ روی عنہ الاکابر من اھل مصر یعنی اہل مصر کے اکابر نے ابن حبیب سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام لیث بن سعد، محمد بن اسحٰق کو ان سارے اکابر پر ترجیح دیتے ہیں۔

(۱۲) ابوزرعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ کیا محمد بن اسحٰق حجت ہیں؟ جواب میں فرمایا وہ نہایت سچے ہیں حجت جسے کہتے ہیں وہ عبیداللہ بن عمرو وغیرہ فلاں فلاں اکابر ہیں۔

(۱۳) ابوجعفر بن نفیل کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن قائد نے بیان کیا کہ ہم محمد بن اسحٰق کے پاس بیٹھتے تھے جب وہ کسی علم و فن کے بارے میں گفتگو کرتے تو پوری مجلس اسی پر تمام ہو جاتی

(۱۴) امام شافعی، امام سفیان ثوری، امام اجل ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں علم اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ابن اسحٰق اس میں موجود ہیں۔

(۱۵) امام شعبہ فرماتے ہیں اگر میری سلطنت ہوتی تو میں ضرور محمد ابن اسحٰق کو تمام محدثین پر سردار بنا دیتا۔

(۱۶) ابن مبارک نے محمد بن اسحٰق سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا تعلق باب احکام سے ہے اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور ہماری معلومات کے مطابق محمد بن اسحاق اس حدیث کے تنہا راوی ہیں۔

(۱۷) امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابن اسحٰق سے حدیثیں روایت کرنے میں ائمہ اور معتمدین نے کبھی کسی طرح کا تامل نہیں کیا اور ان میں کوئی عیب نہیں ہے۔

(۱۸) یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن المدینی سے محمد بن اسحٰق کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ان کی حدیث صحیح ہے اس پر میں نے کہا کہ امام مالک نے ان کے بارے میں جو کلام کیا ہے وہ کیا

ہے ؟ فرمایا کہ مالک کو نہ ان کی صحبت ملی اور نہ مالک نے انھیں پہچانا۔
(۱۹) احمد بن عبداللہ عجلی فرماتے ہیں کہ ابن اسحٰق ثقہ ہیں۔

یہ عبارتیں نقل کرنے کے بعد حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں۔
مسلمانو! خدارا انصاف کرو۔! محمد بن اسحٰق کی توثیق و اعتماد اور مدح و ستائش میں میزان الاعتدال کی ان روشن عبارتوں کو تھانوی صاحب نے کتنی دیدہ دلیری کے ساتھ چھپالیا ہے۔ کیا اسی کا نام دینداری اور دیانتداری ہے

(۲)

تہذیب التہذیب

تہذیب التہذیب فن اسماء الرجال کی دوسری عظیم کتاب ہے۔ اس میں اکابر ائمہ حدیث کی زبانی محمد بن اسحٰق کے بارے میں کیسی کیسی تعریفیں اور توثیقیں منقول ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مفضل غلامی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین سے ابن اسحٰق کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں اور ان کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔

(۲) امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا مدار چھ اماموں پر ہے۔ پھر ان چھ کا علم بارہ اشخاص کے پاس آیا ہے ان بارہ میں سے ایک محمد ابن اسحٰق بھی ہیں۔

(۳) ابن ابی خیثمہ نے امام ابن معین سے نقل کیا کہ امام عاصم بن عمر بن قتادہ نے

فرمایا جب تک ابن اسحٰق زندہ ہیں ہمیشہ لوگوں میں علم باقی رہے گا۔

(۴) ابن ابی خیثمہ ہارون بن معروف سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو معاویہ کو کہتے سنا کہ محمد بن اسحٰق اعلیٰ درجہ کے حافظہ والوں میں تھے۔ اگر کسی کے پاس پانچ یا زیادہ حدیثیں ہوتیں تو وہ انھیں ابو اسحٰق کے سپرد کر دیتا تاکہ وہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ ہو جائیں۔

(۵) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ستر برس سے زائد ہوئے جب سے میں ابن اسحٰق کے پاس بیٹھتا ہوں میں نے اہل مدینہ میں سے نہ کسی کو ان پر کسی بات کی تہمت لگاتے دیکھا اور نہ ان پر کسی کو طعن کرتے ہوئے پایا۔

(۶) امام اثرم نے امام احمد سے روایت کی کہ محمد بن اسحٰق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔

(۷) امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ ابن اسحٰق کی حدیث کو حجت قرار دیتے ہیں۔

(۸) امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام ابن المدینی نے فرمایا کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ وہ ابن اسحٰق کو کسی بات میں متہم سمجھتا ہو۔

(۹) امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اسمٰعیل بن اویس کو دیکھا (جو امام مالک کے بھانجے اور سب سے زیادہ ان کے پیرو ہیں) کہ انھوں نے غزوات کے سلسلے میں ابن اسحٰق کی چند کتابیں مجھے دکھائیں جن سے میں نے بہت سی حدیثیں اخذ کیں۔

فائدہ ان کے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ اگر امام مالک کو ابن اسحٰق کی حدیثوں پر اعتراض ہوتا تو ان کے شاگرد رشید اور بھانجے ابن اسحٰق کی کتابوں سے حدیثیں نقل نہ کرتے

(۱۰) امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم بن حمزہ نے کہا کہ امام ابراہیم بن سعد

کے پاس ابن اسحٰق سے مغازی کے علاوہ خاص باب احکام میں ستر ہزار کے قریب حدیثیں تھیں۔ ابراہیم بن سعد مدینہ طیبہ کے کثیر الحدیث محدثین میں سے تھے۔

(۱۱) امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ محمد بن اسحٰق اپنی قوت حفظ میں سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔

(۱۲) امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام علی بن عبداللہ نے فرمایا کہ ابن اسحٰق کی کتابیں میں نے دیکھیں تو صرف دو حدیثوں پر مجھے ناگواری ہوئی۔ اور ممکن ہے کہ وہ دو حدیثیں بھی صحیح ہوں۔

(۱۳) امام ابی زرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ بیشک اکابر اہل علم نے ابن اسحٰق کی شاگردی پر اجماع کیا۔ اور بیشک محدثین نے انھیں جانچا تو ان کے اندر صدق اور خیر نظر آیا۔ پھر ان کے استاذ امام زہری نے ان کی مدح کی۔

(۱۴) یعقوب ابن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن نُمیر کو کہتے سنا کہ ابن اسحٰق جب پہچانے ہوئے استاذوں سے حدیث روایت کریں تو ان کی وہ حدیث حسن ہے۔ اور وہ صدوق یعنی بہت سچے ہیں۔

(۱۵) ابن اسحٰق کی حدیث میں صدق روشن ہے۔ جن اساتذہ سے بکثرت حدیثیں خود سنی ہیں ان میں بعض حدیثیں ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں اور بعض دو واسطوں سے۔

(۱۶) امام علی نے فرمایا میں نے ابن اسحٰق کی کوئی حدیث غیر معروف نہ پائی۔ سوائے دو کے۔ ایک یہ کہ جب کسی کو جمعہ کے دن اونگھ آئے۔ دوسری جب تم میں کوئی اپنی شرم گاہ چھوئے۔

(۱۷) محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں میں نے امام ابن المدینی سے ابن اسحٰق

کا حال پوچھا فرمایا صالح ہیں۔ اوسط درجہ کے۔

(۱۸) ایوب ابن اسحٰق نے کہا کہ امام علی، محمد بن اسحٰق کے مداح تھے اور انھیں مقدم رکھتے تھے۔

(۱۹) یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین سے پوچھا کہ کیا آپ کے دل میں ابن اسحٰق کے سچے ہونے میں کوئی شبہ ہے۔ فرمایا نہیں، وہ بہت سچے ہیں۔

(۲۰) امام ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین کے سامنے فن حدیث کے اس اعلیٰ پایہ کا ذکر کیا جسے محدثین کی اصطلاح میں حجت کہتے ہیں۔ اور میں نے کہا کہ کیا محمد بن اسحٰق اسی درجہ بلند پر تھے۔ اس پر امام ابن معین نے فرمایا کہ ابن اسحٰق ثقہ تھے۔ حجت تو امام مالک اور عبیداللہ بن عمر وہیں۔

(۲۱) امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شعبہ کو فرماتے سنا کہ محمد ابن اسحٰق حدیث میں امیر المومنین ہیں۔ کسی نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اپنے حفظ کے سبب اور فرمایا اگر حدیث میں کسی کو سردار بنایا جاتا تو محمد بن اسحٰق سب کے سردار ہوتے۔

(۲۲) امام ابن سعد نے کہا کہ محمد بن اسحٰق ثقہ تھے۔ امام ابن علی نے کہا کہ محمد بن اسحٰق کی حدیث کثیر ہے۔ اور بیشک مسلمانوں کے اماموں نے ان سے حدیثیں روایت کیں۔ اور اپنی اس فضیلت میں تو وہ بالکل منفرد ہیں کہ انھوں نے اُمرا اور سلاطین کو بیکار اور فضول کتابوں سے پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادوں اور نعت شریف اور ابتدائے آفرینش کے واقعات کے مطالعہ میں مشغول کر دیا۔

یہ وہ فضیلت ہے کہ وہی اس میں سابق رہے بعد کے علماء نے ان کی پیروی کی۔ مگر ان کے مرتبے تک نہ پہونچے۔ اور ابتک میں نے ان کی روایت کردہ حدیثوں کی جو نہایت کثیر اور وافر ہیں۔ تفتیش کی تو ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہ ملی

جس میں ضعف کا یقین ہو سکے۔ ہاں کبھی اتفاقاً بعض باتوں میں خطا یا وہم واقع ہوا ہے جیسا کہ اوروں سے بھی ہوتا ہے۔ اور اس طرح کی باتوں میں ہرگز کوئی برائی نہیں۔

(۲۳) امام ابن المدینی نے فرمایا کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔ صرف اس بات سے ان کا مرتبہ گھٹ گیا کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں مگر امام ذہبی نے کہا کہ بنی اسرائیل کے وقائع اہل کتاب سے روایت کرنے کو کس نے منع کیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل سے روایت کرو اسمیں کچھ حرج نہیں ہے۔

(۲۴) امام اجل سیدی عبداللہ بن مبارک سے ابن اسحٰق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ بیشک ہم نے انھیں سچا پایا، بیشک ہم نے انھیں بہت سچا پایا، بیشک ہم نے انھیں بہت سچا پایا۔

(۲۵) امام ابن حبّان نے کہا کہ تمام مدینے بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو علم میں ابن اسحٰق کے قریب یا جمع احادیث میں ان کا ہمسر ہو۔ وہ نہایت خوبی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

(۲۶) امام یحیٰی بن یحیٰی کے سامنے ابن اسحاق کا تذکرہ ہوا تو فرمایا وہ ثقہ ہیں۔

(۲۷) امام ابو یعلی خلیلی نے کہا کہ محمد بن اسحٰق بڑے عالم ہیں۔ ان کی روایت، اور ان کا علم وسیع ہے۔ وہ ثقہ ہیں۔

(۲۸) امام ابن البرقی نے کہا کہ میں نے علمائے حدیث میں سے کسی کو نہ دیکھا کہ ابن اسحٰق کے ثقہ اور ان کی روایت کردہ حدیث کے حسن ہونے میں اختلاف کرتے ہوں۔ ہاں نافع سے ان کی روایت کے بارے میں کچھ منقول ہے۔

(۲۹) امام ابوزرعہ نے فرمایا کہ ابن اسحٰق بہت صادق ہیں۔

(۳۰) حاکم نے کہا کہ امام محمد بن یحیٰی نے فرمایا کہ ابن اسحٰق کی روایت کردہ حدیث

حسن ہے۔ ان کے پاس بعض حدیثیں درجۂ افراد میں ہیں۔ اور انھوں نے امام زہری سے روایت کی تو بہت اچھی روایت کی۔

فائدہ واضح رہے کہ حدیث اذان جمعہ انھوں نے زہری ہی سے روایت کی ہے اب اس کے اچھے ہونے میں کیا شبہ ہے۔

(۳۱) حاکم نے کہا کہ امام ابو شیخی سے منقول ہے کہ محمد بن اسحٰق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔

تبصرہ

جلیل القدر اکابر فن حدیث کی ان فکر انگیز توثیقات و کلمات مدائح کے بعد بھی اگر کوئی محمد ابن اسحٰق میں عیب تلاش کرتا ہے تو وہ خود شقاوت قلب کے مرض میں مبتلا ہے۔ کیوں کہ اکابر کی یہ رائیں حقائق پر مبنی ہیں۔

(۳)

کتاب الترغیب والترہیب

(۱) محمد بن اسحٰق مشاہیر ائمہ حدیث سے ہیں۔

(۲) ابن اسحٰق کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔

(۳) امام ابن حنبل نے فرمایا کہ ان کی روایت کردہ حدیث حسن ہے۔

(۴) امام احمد ابن حنبل نے فرمایا کہ ابن اسحٰق ثقہ ہیں۔

(۵) امام علی ابن المدینی نے کہا کہ ابن اسحٰق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

(۶) امام شعبہ نے کہا کہ ابن اسحٰق حدیثوں میں مسلمانوں کے بادشاہ ہیں۔

⑦ بیشک امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن اسحٰق کی روایت کردہ بہت ساری حدیثوں سے استشہاد کیا ہے اور امام ترمذی نے حکم مذی میں سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث محمد بن اسحٰق سے روایت کرکے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

⑧ امام الائمہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ابن اسحٰق کو حجت مانا ہے۔

⑨ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ محمد ابن اسحٰق کے بارے میں اختلاف ہوا لیکن قولِ فیصل یہ ہے کہ ان کی حدیث حسن ہے۔

تبصرہ

ملاحظہ فرمایئے محمد بن اسحٰق کے بارے میں اکابر ائمہ حدیث کے یہ باوزن اور گرانقدر کلمات ! محمد ابن اسحٰق کی ثقاہت و عدالت کیلئے کیا اتنی باوقار شہادتیں تھانوی صاحب کو کافی نہیں تھیں ؟

---

④

جواہر النقی

① محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔

② بیشک امام ترمذی نے ابن اسحٰق سے حدیث روایت کرکے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۳) امام ابوداود نے بھی ابن اسحٰق سے روایت کرکے اس پر سکوت فرمایا۔ اور ان کی عادت یہ ہے کہ وہ اسی حدیث پر سکوت فرماتے ہیں جو ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔

تبصرہ

جواہر النقی کی یہ شہادتیں بھی محمد ابن اسحق کی روایت کردہ حدیثوں پر اعتماد کیلئے بہت کافی ہیں۔ لیکن سوائے توفیق ایزدی کے اس غبار کا علاج کسی کتاب میں نہیں ملیگا جو کسی کی طرف سے کسی کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

بحث کا تیسرا مرحلہ

محمد ابن اسحق کی مدح و توثیق اور ان کی جلالت شان کے اعتراف میں اکابر ائمہ حدیث کے روشن اور گرانمایہ ارشادات میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، کتاب الترغیب والترہیب اور جواہر النقی کے حوالوں سے پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں مجھے یقین ہے کہ محمد بن اسحاق کی عظمت سے آپ کے دل کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا ہوگا۔ لیکن یہ معلوم کرکے آپ حیران رہ جائیں گے کہ بجائے اس کے کہ اکابر ائمہ حدیث کے ان ارشادات کی روشنی میں محمد بن اسحق کی جانب سے دیوبندی مصنف کے دل کی کدورت دور ہوتی اور وہ اپنے سوء اعتقاد سے تائب ہوتا اُلٹے انہیں اکابر ائمہ حدیث پر الزام رکھ دیا کہ یہ لوگ ان جروح کی تاویلات رکیکہ کرتے ہیں یعنی بالفاظ دیگر امام احمد، امام ابن المدینی، امام بخاری

امام ابن حبان، امام ترمذی، امام ذہبی، امام عسقلانی، امام ابن ہمام حنفی وغیرہم جیسے اکابر ائمہ رکیک اور لچر پوچ بناوٹوں سے زبردستی ابن اسحق کو سچا بتاتے ہیں۔
ان اکابر کے خلاف یہ الزامات جتنے سنگین ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں۔

وجوہِ طعن کی بحث

ابن اسحق کے خلاف وجوہ طعن کی بحث کا آغاز کرتے ہوئے حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں۔

پہلا طعن

ابن اسحق کے خلاف سب سے پہلا طعن کذب کا ہے۔ اب اسکی تفصیل سنئے۔
ان پر کذب کا طعن کرنے والے چند حضرات ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔
سلیمان تیمی، یحییٰ، وہیب، مالک اور ہشام۔
سلیمان تیمی کے طعن کا رد ائمہ حدیث نے دو وجہوں سے کیا ہے۔
پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے لگائے ہوئے الزام کی نہ کوئی دلیل دی ہے اور نہ ان کے کذب کے بارے میں کوئی مثال پیش کی ہے۔
جیساکہ تہذیب التہذیب میں ان کے طعن کا رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

واما سلیمان التیمی فلم تبین لی لای شئی تکلم فیہ	یعنی یہ بات مجھ پر ظاہر نہیں ہوئی کہ سلیمان تیمی نے کس بنیاد پر یہ الزام عائد کیا ہے۔

ائمہ کی صراحت کے مطابق کسی کے خلاف اس طرح کے گول مول الزام کو طعن مبہم کہتے ہیں اور وہ تعدیل کے مقابلے میں رد

کر دیئے جانے کے قابل ہے۔ خصوصاً ایسے امام کبیر کے حق میں جن کی ثقاہت اور جلالت شان کی شہادت کثیر ائمہ حدیث نے دی ہو۔

امام جلال الدین سیوطی تدریب وسراوی میں ولا یقبل الجرح الا مبین السبب کے تحت ارشاد فرماتے ہیں۔

قال الصیرفی وکذا اذا قالوا فلان کذاب لا بد لہ من بیانہ لان الکذب یحتمل الغلط

یعنی طعن قابل قبول نہیں جبتک اس کا سبب واضح طور پر بیان نہ کیا جائے۔ امام صیرفی نے کہا ہے کہ اصحاب جرح اگر کسی کو کذاب ہیں تو اس کی وجہ بیان کرنی ضروری ہے کیونکہ کذب نادانستہ غلطی کو بھی کہتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سلیمان التیمی جرح و تعدیل کے اہل ہی نہیں ہیں۔ جیسا کہ امام حافظ الشان تہذیب التہذیب کی نویں جلد کے صفحہ ۵۴ پر فرماتے ہیں

سلیمان التیمی لیس من اھل الجرح والتعدیل۔

یعنی سلیمان تیمی جرح تعدیل کے اہل نہیں ہیں۔

باقی حضرات کا تنقیدی جائزہ

سلیمان التیمی کے عائد کردہ الزام پر بحث ختم ہوئی۔ اب یحییٰ، مالک وہیب اور ہشام کی جرح کا جائزہ لیجئے۔

گنتی میں یہ چار آدمی ہیں لیکن سب کی بات ہشام پر منتہی ہوتی ہے۔ ہشام کے علاوہ تینوں حضرات نے اقرار کیا ہے کہ ہم کو خود اپنے طور پر ابن اسحٰق کا کوئی کذب معلوم نہیں ہے بلکہ ہم نے فلاں کو کہتے سنا ہے۔

دعوے کی مضحکہ خیز دلیل

میزان الاعتدال کی جلد نمبر ۶ صفحہ ۳۴۵ پر ہے کہ سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن قطان نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن اسحٰق کذاب ہیں۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ یہ بات آپ کو کیونکر معلوم ہوئی انہوں نے کہا کہ مجھ سے وہیب نے کہا تھا۔ پھر جب میں نے وہیب سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے مالک بن انس نے کہا تھا۔ اور جب میں نے مالک سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے ہشام بن عروہ نے بیان کیا تھا ـــــ پھر جب میں نے ہشام بن عروہ سے استفسار کیا تو انھوں نے ابن اسحٰق کے کذب کے ثبوت میں کہا کہ وہ میری بیوی فاطمہ بنت المنذر سے حدیث روایت کرتا ہے حالانکہ فاطمہ جب میرے گھر میں آئیں تو ان کی عمر نو برس کی تھی اور اس کے بعد تادم مرگ انھیں کسی نے نہیں دیکھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحٰق نے ان کی طرف اپنی روایت کی جو نسبت کی ہے وہ جھوٹ ہے۔

یہی ہے علم و استدلال کی وہ ساری پونجی جس پر تھانوی صاحب نے ابن اسحٰق کے خلاف اتنا بڑا طوفان کھڑا کیا ہے۔ اب ائمہ حدیث نے ہشام کے اس قول کے جو رد کئے ہیں۔ اس کی حیرت انگیز تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا رد

امام بخاری ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ قول ہشام سے ثابت ہی نہیں ہے۔ (جزء القراۃ)

دوسرا رد

ہشام سے جو قول مروی ہوا کہ فاطمہ بنت المنذر جب میرے پاس بیاہ کر آئی

تھیں تو ان کی عمر نو برس کی تھی، یہ صریحًا غلط ہے۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر ہشام سے تیرہ سال بڑی ہیں۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ جب وہ نو برس کی تھیں تو ہشام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اس کے چار برس بعد پیدا ہوئے۔

چنانچہ میزان الاعتدال کی جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ پر اور تہذیب التہذیب کی جلد ۹ صفحہ ۴۶ پر ہے۔

قولہ وھی بنت تسع غلط	ہشام کا یہ کہنا کہ وہ نو برس کی تھیں غلط ہے
لانھا اکبر من ھشام بثلث عشر سنہ	کیونکہ وہ ہشام سے تیرہ سال بڑی تھیں۔

جیسا کہ خود ہشام نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب کی جلد ۱۲ صفحہ ۴۴۴ پر ہے۔

قال ھشام بن عروۃ کانت	ہشام بن عروہ نے کہا کہ وہ مجھ سے تیرہ سال
اکبر منی بثلث عشر سنۃ۔	بڑی تھیں۔

تیسرا رد

فاطمہ پردہ نشین ضرور تھیں اور انھیں غیر شخص نے نہیں دیکھا۔ مگر اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ کوئی نامحرم ان سے روایت بھی نہ کرے۔ حالانکہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زائد کس کا پردہ ہوگا۔ پھر بھی سینکڑوں راویوں نے ان سے حدیثیں سنیں اور دوسروں سے روایت کی۔

چنانچہ ابن حبان کتاب الثقات میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اما قول ھشام فلیس مما	ہشام کا قول جرح نہیں ہے کیوں کہ تابعین نے
یجرح بہ الانسان وذالک	حضرت عائشہ صدیقہ سے حدیثیں

ان التابعین سمعوا من عائشۃ من غیر ان ینظروا الیھا۔ (تہذیب التہذیب) | سنیں بغیر اس کے کہ انھیں دیکھا ہو

چوتھا رد

ہشام رجل کی نفی کرتے ہیں کہ کسی مرد نے انھیں نہ دیکھا جبکہ رجل مرد بالغ کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ابن اسحٰق نے اپنی نا بالغی میں فاطمہ سے حدیثیں سنیں ہوں۔ یہ جواب امام بخاری کے استاذ اجل حضرت امام ابن المدینی نے افادہ فرمایا۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے۔

قال علی الذی قال ھشام لیس بحجۃ لعلہ دخل امرأتہ وھو غلام فسمع منھا۔

علی ابن المدینی نے فرمایا کہ ہشام کا قول حجت نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے نابالغی میں ابن اسحٰق ان کے پاس گئے ہوں اور ان سے حدیث سنی ہو۔

پانچواں رد

ہشام عمر بھر کی نفی کیونکر کر سکتے ہیں جب کہ ہر وقت ان کا گھر میں رہنا متعذر ہے۔ یہ تسلیم کرنے میں کیا قباحت ہے کہ ابن اسحٰق حاضر ہوئے ہوں اور ان سے اذن طلب کیا ہو اور فاطمہ نے پردہ کے اندر سے انھیں حدیث سنائی ہو۔ یہ جواب امام احمد، امام بخاری اور امام ابن حبان نے افادہ فرمایا۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے

لعلہ جاء فاستاذن علیھا فاذنت لہ ولم یعلم۔

ہو سکتا ہے ابن اسحٰق نے آکر اجازت طلب کی اور فاطمہ نے اجازت دی اور ہشام کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو

اور ابن حبان کی کتاب الثقات میں ہے۔

كذالك ابن اسحٰق كان سمع من فاطمة والستر بينهما مسبل (تہذیب التہذیب)

ایسے ہی ابن اسحٰق نے فاطمہ سے سنا ہو اور دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو۔

چھٹا رد

مسلمانوں کی تاریخی اور تہذیبی روایات کے مطابق پردہ نشیں بیبیاں اُس زمانے میں بھی نقاب کے ساتھ مساجد میں نماز کیلئے حاضر ہوتی تھیں۔ ہوسکتا ہے مسجد ہی میں انھیں موقعہ مل گیا ہو اور انھوں نے فاطمہ سے حدیث سنی ہو۔ اس کی خبر ہشام کو بھی ہو جائے کیا ضروری ہے۔ جیسا کہ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

ومایزری هشام بن عروة فلعله سمع منها فی المسجد (میزان الاعتدال)

ہوسکتا ہے کہ انھوں نے مسجد میں حدیث سنی ہو اس کی ہشام کو کیا خبر۔

ساتواں رد

بہت ممکن ہے کہ فاطمہ سے ابن اسحٰق نے بذریعہ کتابت روایت کی ہو۔ کیونکہ اہل مدینہ بذریعہ کتابت روایت کو جائز جانتے ہیں جیسا کہ امام بخاری جزء القراءۃ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ولو صح عن هشام جائز ان تكتب اليه فان اهل المدينة يرون الكتاب جائزاً وجائزان يكون سمع منها وبينهما حجاب (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲)

(اولاً تو ہشام سے یہ اعتراض ثابت ہی نہیں) اور اگر بالفرض ثابت بھی ہو تو جائز ہے کہ فاطمہ نے حدیث ابن اسحٰق کو لکھ کر بھیجی ہو کہ اہل مدینہ روایت کو بذریعہ کتابت جائز جانتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابن اسحٰق نے پردے کی آڑ سے حدیث سنی ہو۔

آٹھواں رد

یہ ساری باتیں نظر انداز بھی کر دی جائیں تو ہشام کے قول کے غلط ہونے کے لئے یہ بہت کافی ہے کہ ابن اسحٰق کے علاوہ محمد بن سوقہ کوفی نے بھی فاطمہ سے حدیث روایت کی ہے۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود ابن سوقہ کوفی ثقہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ایک جانے پہچانے راوی ہیں۔ آخر انھوں نے فاطمہ سے کیسے حدیث سنی۔ اس کے باوجود اگر ان کے خلاف کذب کا الزام نہیں ہے تو اس بنیاد پر ابن اسحٰق کو کذب کے ساتھ متہم کیوں کیا جائے بلکہ تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال کی صراحت کے مطابق محمد بن اسمٰعیل بن یسار نے بھی فاطمہ سے حدیث روایت کی ہے۔ میزان اور تہذیب کے الفاظ یہ ہیں۔

قد روی عنها ایضا غیر	فاطمہ سے محمد بن اسحٰق کے علاوہ اور بھی لوگوں نے
محمد بن اسحٰق من الغرباء محمد بن سوقہ	حدیث روایت کی ہے جیسے محمد بن سوقہ وغیرہ

نواں رد

ہشام تو دیکھنے کے منکر ہیں کہ فاطمہ کو کسی غیر نے نہیں دیکھا۔ اور ابن اسحٰق کے مدعی نہیں ہیں۔ صرف ان سے روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ روایت اور رویت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر اعتراض کا ہے کا۔ جیسا کہ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

فما قال انه رآها افبمثل هٰذا	ابن اسحٰق کب کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ کو دیکھا
یعتمد علی تکذیب رجل من اهل	کیا ایسی بے علاقہ بات سے ایک عالم کی تکذیب

العلو ھٰذا مردود | پر اعتماد ہو گا۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ رد کر دیا جائے گا۔

دسواں رد

سب سے قطع نظر کر لیجئے پھر بھی ابن اسحٰق کی ثقاہت و راست گوئی کا یہ پہاڑ اپنی جگہ سے کیسے ہٹے گا کہ کذب کے طعن کو ائمہ نے قبول ہی نہیں کیا۔ پھر ایسی بات جو ائمہ ناقدین کے حضور میں پیش ہو کر رد ہو چکی ہو اسے دستاویز بنانا کیوں کر جائز ہو گا۔ اس طرح کے چلتے پھرتے مطاعن سنے جائیں تو سلف و خلف میں شاید کوئی امام بچے۔ سب سے ہاتھ دھونے پڑیں۔

یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب جزء القراءۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ولم ینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیھم نحو ما یذکر عن ابراھیم من کلامہ فی الشعبۃ وکلام الشعبۃ فی عکرمۃ ولم یلتفت اھل العلم فی ھذا النحو الا ببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتھم الا ببرھان وحجۃ۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۱)

ائمہ حدیث میں اکثر ایسے حضرات ملیں گے جن پر کسی نہ کسی نے طعن کیا ہے۔ جیسے امام اجل ابراہیم نخعی سے امام اجل شعبہ کے بارے میں کلام منقول ہے اور امام شعبہ سے عکرمہ کے بارے میں لیکن علماء ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں فرماتے جبتک وہ دلیل و حجت سے ثابت نہ ہو جائے ایسی بے دلیل حجت طعن سے کسی کی عدالت ساقط نہیں ہوتی

——— حضرت ابن اسحٰق کے دفاع میں دلائل و براہین کا انبار لگانے کے بعد حضور مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں۔

مسلمانو ——— ! یہ ہیں وہ قاہر رد جنہیں دیوبندی مصنف نے رکیک

تاویلات سے تعبیر کیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آدمیاں گم شدند.....

ابن اسحٰق کے خلاف دوسرا طعن

ابن اسحٰق کے خلاف دوسرا طعن دجل کا ہے جسے امام مالک کیطرف منسوب کیا گیا ہے۔

ائمہ کرام نے اس کے چھ رد ارشاد فرمائے ہیں۔

پہلا رد امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام مالک سے اس کا ثبوت متحقق نہیں ہے بلکہ ثابت نہ ہونا ہی قرین قیاس ہے۔ کیوں کہ اس کے بطلان پر قرینہ موجود ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب کے حوالے سے امام بخاری کے ارشادات پچھلے اوراق میں نقل کئے جا چکے ہیں۔ ثبوت کیلئے اقتباس نمبر ۸ اور ۹ ملاحظہ فرمائیں

دوسرا رد امام مالک نے اپنے اس الزام سے رجوع فرمالیا ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر جلد اول کے صفحہ ۹۲ پر امام ابن ہمام نے ارشاد فرمایا ہے۔

ذکرہ ابن حبان فی الثقات	ابن حبان نے ابن اسحٰق کو ثقات میں ذکر
وان مالکا رجع عن الکلام	کیا ہے اور یہ کہ امام مالک نے ابن اسحٰق کیخلاف
فی ابن اسحٰق واصطلح معہ	اپنے طعن سے رجوع کر لیا ان سے صلح فرمائی
وبعث الیہ ھدیۃ ذکرھا ابن حبان	اور انھیں ہدیہ بھیجا جس کی تفصیل بھی ابن حبان
	نے بیان کی ہے۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس واقعہ کی مزید تفصیل لکھی ہے کہ امام مالک نے ایک بار ابن اسحٰق پر طعن کیا تھا پھر ابن اسحٰق کی طرف اچھے برتاؤ

کے ساتھ رجوع فرمایا۔ مالک کا طعن ان پر حدیث کے سلسلے میں نہ تھا۔ بلکہ انھیں یہ بات ناپسند تھی کہ غزوۂ خیبر کے واقعات وہ یہود کی نومسلم اولاد سے روایت کرتے تھے۔ حالانکہ ابن اسحٰق کا یہ پوچھنا بھی اس طور پر نہ تھا کہ وہ ان لڑکوں کا بیان حجت سمجھتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۰)

تیسرا رد بالفرض امام مالک کا رجوع نہ بھی ثابت ہو جب بھی ائمہ حدیث کے یہاں اس طرح کی مثالیں موجود ہیں کہ امام ناقد کسی خاص وجہ سے کسی خاص امر میں کسی پر طعن کرتا ہے لیکن وہ طعن اتنی ہی بات پر مقتصر رہتا ہے باقی امور میں وہ بھی اسے مقبول رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے حدیثیں بھی اخذ کرتا ہے۔ یہ جواب امام بخاری نے ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ جزء القراءۃ میں فرماتے ہیں۔

لو صح عن مالك تناوله من ابن اسحٰق فلربما تكلم الانسان فيه فی صاحبه بشیء ولا يتهمه فی الامور كلها۔	اول تو امام مالک سے ابن اسحٰق پر طعن ثابت نہیں اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو ایسا بارہا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کسی رفیق پر ایک خاص بات میں طعن کرتا ہے اور سب باتوں میں اسے متہم نہیں سمجھتا۔

چوتھا رد امام مالک کو ابن اسحٰق سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ کیونکہ ابن اسحٰق مدینہ طیبہ میں زیادہ دنوں قیام پذیر نہ رہے۔ ابتدا ہی میں کوفہ رہے اور پھر بغداد کی طرف کوچ کیا۔ اور بغداد شریف ہی میں قیام پذیر ہوئے یہاں تک کہ وہیں وفات پائی۔ انھوں نے مدینہ طیبہ میں کونسی حدیث روایت کی کہ امام انھیں جانچتے۔

یہ رد امام بخاری کے استاذ امام علی بن عبداللہ نے ارشاد فرمایا

(تہذیب التہذیب، میزان)

پانچواں رد امام مالک کا اعتراض ابن اسحٰق پر روایت حدیث کے رُخ سے

نہیں ہے بلکہ مذہب قدر کے ساتھ تہمت کے سبب سے ہے۔ جیسا کہ عسقلانی ج ۹ صفحہ ۴۲ پر ہے۔

قال ابوذرعة الدمشقی	ابوذرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ ابن اسحٰق پر امام
ذاکرت رجیما قول مالك فیه	مالک کے طعن کی بابت رجیم سے میرا مذاکرہ ہوا انھوں
فرأی ان ذالك لیس للحدیث	خیال ظاہر کیا کہ امام مالک کا طعن روایت حدیث
انما هو لانه اتهمه بالقدر	کی جہت سے نہیں بلکہ مذہب قدر کیساتھ تہمت کی وجہ سے ہے

اور پچھلے اوراق میں میزان الاعتدال کے حوالہ سے گزر چکا کہ مذہب قدر کی طرف ان کی نسبت محض لوگوں کا خیال ہی خیال ہے ورنہ وہ سب سے زیادہ مذہب قدر سے دور تھے۔

چھٹا رد امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ ابن اسحٰق پر امام مالک کا طعن اول تو ثابت نہیں ہے اور اگر صحیح بھی فرض کرلیں تو علمائے نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ مسترد کر دیا اور کیوں کر اسے مسترد نہ کرتے جبکہ امام شعبہ نے ابن اسحٰق کو فن حدیث میں مسلمانوں کا بادشاہ لکھا ہے۔ اور امام اجل سفیان ثوری، ابن ادریس، حماد بن زید، یزید بن زریع، ابن عیینہ، عبدالوارث اور امام اجل عبداللہ بن مبارک اور عامۂ علمائے محدثین نے ان کو مقبول رکھا۔

یہاں تک ابن اسحٰق پر امام مالک کے طعن اور اس کے جواب کی بحث تھی اس مدلل بحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ ابن اسحٰق کا دامن دجل کے طعن سے پاک ہے۔

ابن اسحٰق پر تیسرا طعن

ابن اسحٰق پر تیسرا طعن تشیع کا ہے۔ تھانوی صاحب نے امام ابن حجر کے حوالہ سے ان پر تشیع کا الزام عائد کرتے ہوئے بدترین قسم کی فریب کاری سے کام لیا ہے۔ ہندوستان کے محاورہ میں شیعی رافضی کو کہتے ہیں۔ لیکن ائمہ جرح و تعدیل کے یہاں شیعی وہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل مانتا ہے۔ اس اصطلاح کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کر کے انھوں نے سادہ لوح عوام کو اس فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ابن اسحٰق کو رافضی سمجھیں۔ معاذ اللہ رب العلمین۔

حضرت علی کو حضرت عثمان سے افضل سمجھنا اگرچہ جمہور اہلسنت کے مذہب کے خلاف ہے لیکن اہل سنت کی ایک جماعت، خصوصاً ائمہ کوفہ جیسے امام سفیان ثوری، اور امام مسلمین حضرت اعمش وغیرہما اسی کے قائل ہیں۔ ایسے تشیع کو بدعت اور بدمذہبی بھی نہیں کہہ سکتے۔ شرح مقاصد میں ہے۔

قال اهل السنة الافضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی وقد مال البعض منهم الی تفضیل علی علیٰ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنهما والبعض الی التوقف فیما بینهما۔	علمائے اہلسنت نے فرمایا کہ سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں پھر عثمان ہیں پھر علی ہیں پھر ان میں سے کچھ لوگوں کا مذہب ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں اور بعض لوگوں نے توقف سے کام لیا ہے۔

اور امام ابن حجر اپنی گرانقدر تصنیف ہدی الساری میں محدثین کے اصطلاحات کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

التشیع محبۃ علی وتقدیمہ	حضرت علی سے محبت کرنا اور انھیں صحابہ پر
علی الصحابہ فمن قدمہ علی	فضیلت دینا شیعیت ہے لیکن جو حضرت ابوبکر
ابی بکر وعمر فھو غالی تشیعہ	اور حضرت عمر سے انھیں افضل سمجھتا ہے وہ
ویطلق علیہ رافضی والا فشیعی	رافضی ہے۔ پھر اسی کے ساتھ اگر وہ تبرا
فان انضاف الی ذالک السب	بھی کرتا ہے تو وہ غالی رافضی ہے۔
او التصریح بالبغض فقال فی الرفض	

ائمہ جرح وتعدیل کی اصطلاح میں چونکہ محب علی کو شیعی کہا جاتا ہے اسی بنیاد پر حضرت امام اعمش جو امام اعظم کے استاذ ہیں ان کے بارے میں تہذیب التہذیب میں ہے کہ کان فیہ تشیع ان میں شیعیت تھی یعنی وہ محب علی تھے۔ اتنی تفصیل کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ائمہ حدیث کی اصطلاح میں رافضی اور شیعی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ حضرت ابن اسحٰق پر امام ابن حجر نے تشیع کا طعن کیا ہے۔ رفض کا طعن نہیں کیا ہے۔ صرف اس طعن سے اگر ابن اسحٰق کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے تو خود بخاری شریف اور مسلم شریف کے رجال میں سینکڑوں راوی ہیں جنہیں شیعی کہا گیا ہے لیکن اس کے باوجود کسی نے بھی ان کی حدیث قبول کرنے سے انکار نہیں کیا ہے۔

الحمدللہ کہ شیعیت بمعنی رفض کے الزام سے بھی حضرت ابن اسحٰق کا دامن پاک اور بے داغ ثابت ہوگیا۔

ابن اسحٰق پر چوتھا طعن

حضرت ابن اسحٰق پر چوتھا طعن تدلیس کا ہے۔ تھانوی صاحب نے ان کے خلاف یہ الزام عائد کرتے ہوئے امام ابن حجر کی کتاب طبقات المدلسین کا حوالہ دیا ہے۔ ذرا بھی انھیں فن حدیث سے واقفیت ہوتی تو وہ اس کتاب کا ہرگز حوالہ نہ دیتے۔ کیونکہ امام ابن حجر نے مُدلسین کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول چار وہ ہیں جن میں صرف تدلیس ہی ہے کوئی اور وجہ ضعف نہیں ہے۔ ان میں امام بخاری، امام مسلم، اور ان سے اعلیٰ درجہ کے ائمہ داخل ہیں۔ پانچواں طبقہ وہ ہے جن میں تدلیس کے سوا کوئی دوسری وجہ ضعف بھی ہے۔ امام ابن حجر نے ابن اسحٰق کو چوتھے درجہ میں رکھا کہ بر بنائے اصول شافعیہ جن کی حدیث بے تصریح سماع حجت نہیں جبکہ ہم حنفیہ، مالکیہ، اور حنبلہ کے نزدیک مطلق حجت و مقبول ہے۔ صرف تدلیس کی وجہ سے اگر ابن اسحٰق کی حدیث ناقابل حجت ہے تو تھانوی صاحب کو امام بخاری اور امام مسلم کی حدیثوں کا بھی انکار کر دینا چاہیئے کیونکہ امام ابن حجر نے انھیں بھی مدلسین میں شمار کیا ہے۔ بہرحال امام ابن حجر کی تحریر سے اتنی بات بالکل صاف ہو گئی کہ ابن اسحٰق میں اور کوئی ضعف نہیں ہے اب وہ لوگ جو ان پر کذب یا دجل کا الزام رکھتے تھے اپنے ہی منہ پر تھپڑ ماریں۔

اِتمامِ حجّت

اتنی تشفی بخش اور مدلّل بحث کے بعد بھی اگر تھانوی صاحب ابن اسحٰق کے عنعنہ کو قابل استناد نہیں سمجھتے تو اب میں اتمام حجت کے طور پر مسند امام احمد کے حوالہ سے ابن اسحٰق کی وہ حدیث پیش کر رہا ہوں جس میں حدثنی کے ذریعہ امام زہری سے سماع کی صراحت ہے۔ سلسلۂ سند ملاحظہ فرمائیے۔

حدثنا یعقوب حدثنا ابی عن ابن اسحٰق قال حدثنی محمد بن مسلم عبید اللہ الزھری عن السائب بن یزید

ثانیاً تہذیب کی روایت کے مطابق محمد ابن اسحٰق امام زہری سے کثیر المصاحبۃ کثیر السماع اور کثیر الروایۃ ہیں۔ چنانچہ امام زہری نے اپنے دربان کو حکم دیا تھا کہ ابن اسحٰق جس وقت بھی آئیں انھیں نہ روکا جائے۔ امام ذھبی فرماتے ہیں کہ ایسے شیخ سے کسی بھی حدیث کی روایت سماع پر محمول ہے اگرچہ بہ لفظ عَن ہو ——

○

فن حدیث میں حضور مفتیٔ اعظم کے رسوخ و تبحر کو سمجھنے کے لئے وقایۃ اہل السنۃ کے اتنے اقتباسات ہی بہت کافی ہیں۔ ورنہ اس دریائے ناپید الکنار کے تلاطم کا تو یہ حال ہے کہ بحث کے جس نکتے پر قلم اٹھتا ہے مختلف سمتوں میں اتنی دور تک پھیل جاتا ہے کہ اس کا سمیٹنا مشکل ہے۔ ابن اسحٰق کی حدیث پر حضور مفتیٔ اعظم نے

فن حدیث کے ایسے ایسے علمی ذخائر ونوادر کا انبار لگا دیا ہے کہ عقل حیران ہے کہ ہم کس کس رخ سے اس جلوے کا تماشا دیکھیں اور اس چمکتے ہوئے نگار خانے میں کس کس گوہر تابدار کی نشاندہی کریں۔

حضور اعظم کو ابتک اپنے وقت کے ایک فقیہ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ایک فقید المثال اور وحید العصر امیر کشور افتاء کی حیثیت سے جانتے تھے۔ لیکن **وقایۃ اھل السنۃ** کے مطالعہ کے بعد ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑیگا کہ وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے بلکہ اپنے دور میں فن حدیث کے امام اعظم بھی تھے۔

قابل مبارکباد ہیں رضا اکیڈمی بمبئی کے اراکین جنہوں نے اس رُخ سے بھی مفتی اعظم کو متعارف کرانے کا ہمیں موقعہ دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد قمر الحسن بستوی کے اصرار پر یہ مختصر مقالہ سپرد قلم کر رہا ہوں۔ قبول عام کے اعزاز سے خدا اسے سرفراز کرے۔

مفتی اعظم کا تقویٰ اور خشیتِ ربّانی

مولانا یٰسٓ اختر مصباحی دار القلم دہلی

اطاعت خداوندی ، اتباع سنت رسول ، فرائض و واجبات کی پابندی، ارتکاب محرمات سے اجتناب ، ترکِ نفسانیت ، آداب شریعت کی محافظت ، ظاہر و باطن میں یکسانیت ، حقوق العباد کی رعایت ، اورحسنِ اخلاق و کردار کے مجموعہ کا نام ہے تقویٰ و خشیت ربانی

رضائے الٰہی کی طلب و جستجو میں انہماک و استغراق ، اور بارگاہ مولیٰ میں عتاب و عقاب کے تصور سے خوف و سراسیمگی ہی تقویٰ و خشیتِ ربانی کا وہ جوہری عنصر ہے جو قرآن حکیم کا مطلوب و مقصود ہے ۔

تقویٰ اور خشیت ، انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی وراثت ہے ۔ اور علماء کرام وراثت انبیاء کے حامل و امین ہیں ۔ ربّ کائنات ارشاد فرماتا ہے ۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔ (۲۸ ۔ سورہ فاطر پارہ ۲۲)

ترجمہ ! اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ تحریر کرتے ہیں ـــــــــ " اور اس کی صفات کو جانتے اور اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں ، جتنا علم زیادہ اتنا خوف زیادہ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اس کی عزت و شان سے باخبر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اللہ عزوجل کی کہ میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں

(خزائن العرفان)

اولاد آدم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں دو طرح کے لباس دیئے ہیں، ایک تو وہ جس سے تم اپنے پوشیدہ اعضاء کو چھپاتے ہو اور ایک وہ جس سے تمہارے جسم کی آرائش و زیبائش ہوتی ہے لیکن ایک لباس ایسا ہے جو ان دونوں سے بھی اچھا اور بہتر ہے۔ "وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ" ۔ (۲۶۔ سورۂ اعراف پارہ ۸) **ترجمہ** ! اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بھلا ہے۔ (کنزالایمان)

جس طرح دنیوی سفر کیلئے زاد راہ ضروری ہے اسی طرح آخرت کیلئے بھی زادِ راہ ضروری ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (۱۹۷ سورہ بقرہ)

ترجمہ ! اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ تقویٰ ہے۔

تقویٰ کے بعض دنیوی و اخروی فوائد کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۱۳ حجرات پارہ ۲۶)

بیشک تم میں اللہ کے یہاں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ تقویٰ والا ہے

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

(۲ طلاق پارہ ۲۸) اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کیلئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِیْنَ (۳۵۔زخرف پارہ۔۲۵)

اور آخرت تمہارے رب کے پاس ڈرنے والوں کیلئے ہے

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ (۱۵۔ذٰریٰت پارہ۲۶)

بیشک ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہیں۔

تقویٰ کیا چیز ہے اس کے مراتب کیا ہیں، اور متقی کسے کہتے ہیں؟ اس کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہوئے سورۂ بقرہ کی پہلی آیت کریمہ کی تفسیر میں صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی تحریر کرتے ہیں۔

"ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ"۔ اگرچہ قرآن کریم کی ہدایت ہر ناظر کیلئے عام ہے مومن ہو یا کافر جیساکہ دوسری آیت میں فرمایا ھُدًی لِّلنَّاسِ، لیکن انتفاع چوں کہ اس کے اہل تقویٰ کو ہوتا ہے اسلئے ھُدًی لِّلنَّاس۔ ارشاد ہوا۔ جیسے کہتے ہیں بارش سبزہ کیلئے ہے۔ یعنی منتفع اس سے سبزہ ہوتا ہے۔ اگرچہ برستی کلّر اور زمین بے گیاہ پر بھی ہے۔

تقویٰ کے کئی معنیٰ آتے ہیں۔ نفس کو خوف کی چیز سے بچانا۔ اور عرف شرع میں ممنوعات کو چھوڑ کر نفس کو گناہ سے بچانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا متقی وہ ہے جو شرک و کبائر و فواحش سے بچے۔ بعضوں نے کہا متقی وہ ہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر نہ سمجھے۔ بعض کا قول ہے۔ تقویٰ حرام چیز و ں کا ترک اور فرائض کا ادا کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک معصیت پر اصرار اور تقویٰ پر غرور کا ترک تقویٰ ہے۔ بعض کے نزدیک تقویٰ یہ ہے کہ تیرا مولیٰ تجھے وہاں نہ پائے جہاں اس نے منع فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کا نام ہے (خازن)۔ یہ تمام معنیٰ باہم

مناسبت رکھتے ہیں اور مآل کے لحاظ سے ان میں کچھ مخالفت نہیں۔

تقویٰ کے مراتب بہت ہیں۔ عوام کا تقویٰ ایمان لاکر بچنا۔ متوسطین کا اوامر و نواہی کی اطاعت۔ خواص کا ہر ایسی چیز کو چھوڑنا جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے۔ (اجمل)

حضرت مترجم (امام احمد رضا) قدس سرہٗ نے فرمایا، تقویٰ کی سات قسم ہے۔

(۱) کفر سے بچنا۔ یہ بفضلہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ (۲) بدمذہبی سے بچنا۔ یہ ہر سنی کو نصیب ہے۔ (۳) ہر کبیرہ سے بچنا۔ (۴) صغائر سے بھی بچنا۔ (۵) شبہات سے احتراز۔ (۶) شہوات سے بچنا۔ (۷) غیر کی طرف التفات سے بچنا۔ یہ اخص الخواص کا منصب ہے۔ اور قرآن کریم ساتوں مرتبوں کا ہادی ہے۔" (خزائن العرفان)

تقویٰ کے بارے میں متعدد اقوال اور روایتیں بیان کرتے ہوئے محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ مجھے تقویٰ کے بارے میں بتائیے۔ انھوں نے فرمایا۔ کیا آپ کبھی کانٹوں والے راستے پر چلے ہیں؟ فرمایا ہاں! انھوں نے پوچھا۔ وہاں آپ کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ ڈرتا ہوں اور دامن بچاکر چلتا ہوں۔ حضرت کعب نے فرمایا۔ تقویٰ اسی طرح ہے۔ (ص ۳۷۶۔ غنیۃ الطالبین)

ترجمہ:۔ از مولانا محمد صدیق ہزاروی۔ فرید بک ڈپو اسٹال اردو بازار لاہور۔ بار اول ۱۹۸۸ء۔

حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ متقی وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے جن میں حرج نہیں۔ تاکہ حرج والی چیزوں میں داخل ہونے سے محفوظ رہے۔

(ص ۳۷۶ - غنیۃ الطالبین)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ متقی اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ (ص ۲۷۶۔ غنیۃ الطالبین)

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ تقویٰ شبہات سے بچنے کا نام ہے۔ (ص ۲۷۷۔ غنیۃ الطالبین)

تقویٰ اور متقی کے بارے میں یہ تفصیلات جاننے کے بعد ماضی قریب کی عہد ساز شخصیت تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفےٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی قدس سرہٗ کی مقدس زندگی کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا سینہ خشیتِ ربانی سے معمور اور آپ کا ہر لمحۂ حیات انوار تقویٰ سے پُر نور تھا۔ آپ کا ہر عمل اطاعت خداوندی کا مظہر اور آپ کی ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ترجمان تھی۔

کلمۂ حق کے اظہار میں حضور مفتی اعظم کی ذاتِ گرامی اپنی مثال آپ تھی۔ کسی سے ڈرنا اور دبنا تو آپ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ دنیا سے بے نیازی و بے رغبتی کے واقعات آپ کی زندگی میں قدم قدم پر ملتے ہیں۔ اور جن لوگوں کو آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہے اور آپ کی صحبت میسر ہے وہ گواہی دیں گے کہ شبہات سے اجتناب کے باب میں بھی آپ اپنے دور کے اہل تقویٰ میں امتیازی شان کے مالک ہیں۔

دو تین سال پہلے کی بات ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد میاں ثمر دہلوی کے دولتکدہ (باڑہ ہندو راؤ دہلی) پر میں حاضر ہوا۔ ان سے ایک مذہبی مسئلہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ انھوں نے دورانِ گفتگو مجھ سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔

"مسجد فتحپوری دہلی میں ایک بار حضرت محدث اعظم سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ مسجد کے ایک حجرہ میں قیام فرمایا۔ لوگ آپکی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ دیر بعد چائے پیش کی گئی۔ یہ چائے کسی غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور! بریلی کے مفتی اعظم تو غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نوش نہیں فرماتے۔ چائے کی پیالی آپ کے سامنے رکھی تھی۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ مفتی اعظم غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نہیں پیتے، یہ ان کا تقویٰ ہے۔ اور پھر چائے کی پیالی ہونٹ تک لیجاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اور یہ ان کا فتویٰ ہے۔ اس کے بعد اطمینان کے ساتھ چائے پینے لگے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا مرغوب حسن قادری اعظمی بیان کرتے ہیں۔

"ایک سفر میں حضور محدث اعظم اور حضور مفتی اعظم بعد نماز عصر مسجد ہی میں بیٹھ گئے۔ کسی نے وہیں آپ حضرات کی خدمت میں چائے پیش کی۔ حضور محدث اعظم نے مسجد ہی میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ مگر حضور مفتی اعظم چائے کی پیالی لیکر مسجد کے باہر تشریف لے گئے۔ اور چبوترہ پر بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ دیکھنے والوں نے دونوں عظیم ترین علماء کرام کا عمل دیکھا۔ اور کسی کے پوچھنے پر یا خود اپنی فراست سے حاضرین کے ذہنی تاثر کو بھانپ کر حضور محدث اعظم نے ارشاد فرمایا۔

میں جب مسجد کے اندر داخل ہوتا ہوں تو اعتکاف کی نیت کر لیتا ہوں۔ اور معتکف کیلئے مسجد کے اندر کھانے پینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ مفتی اعظم کی بھی یہی نیتِ اعتکاف تھی۔ مگر انھوں نے تقویٰ پر عمل کیا۔

ان دونوں واقعات کے اندر جہاں حضور مفتی اعظم کے تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ ہمیں ملتا ہے وہیں مخدوم علماء حضور محدث اعظم کی زبان مبارک سے آپ کے تقویٰ کی بلند پایہ شہادت بھی ملتی ہے۔

مؤخر الذکر واقعہ کے راوی حضرت مولانا عبد الحمید (بستہ ڈاکخانگی پوسٹ سورجا پور ضلع مغربی دیناجپور) تلمیذ حضرت صدر الشریعہ و حضرت محدث اعظم بھی ہیں۔ (حسب روایت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر پورنوی) اور حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی بھی اس واقعہ کے راوی ہیں۔ (حسب روایت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی۔

ڈاکٹر محمد اسد (علیگ) پیلی بھیتی بیان کرتے ہیں۔

"مولانا محمد عباس اشرفی خطیب مسجد قریشیان پیلی بھیت کا بیان ہے کہ ۱۹۶۸ء میں حضور مفتی اعظم جامع مسجد کھٹیما ضلع نینی تال تشریف لائے۔ اور آپکا قیام ناچیز کے حجرے میں ہوا۔ ہم لوگوں نے بہترین مٹھائی، نمکین اور چائے کا اہتمام کیا۔ حضور مفتی اعظم نے صرف چائے نوش فرمائی جو ہم لوگوں کی بنائی ہوئی تھی۔ اور مٹھائی و نمکین کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے کھانے کی نہیں۔ ہم لوگ فوراً سمجھ گئے کہ اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ مٹھائی اور نمکین غیر مسلم کے یہاں سے آئی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر محمد اسد ہی کی روایت کے مطابق مولانا محمد عباس اشرفی بیان کرتے ہیں

"۱۹۶۵ء میں ناچیز احمد آباد میں مدرس تھا۔ اس وقت کی بات ہے کہ ایک سفر میں حضور مفتی اعظم احمد آباد کے اپنے ایک عقیدتمند کے یہاں دعوت طعام میں تشریف لے گئے۔ صاحب خانہ کے دروازہ تک پہنچ کر آپ کے قدم رک گئے صاحب خانہ حیرت میں پڑ گئے کہ آخر بات کیا ہے۔ اور آپ کے قریب پہنچ کر گھر کے اندر تشریف لے چلنے کی انھوں نے درخواست کی۔ حضور مفتی اعظم نے فرمایا تمہارا مکان صنم خانہ بنا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ تیزی کے ساتھ گھر کے اندر گئے۔ اور دیوار وغیرہ پر لگی ہوئی ساری تصاویر ہٹائی۔ تب کہیں جاکر حضور مفتی اعظم ان کے گھر کے اندر داخل ہوئے۔

حضرت مولانا مجیب اشرف اعظمی ثم ناگپوری بانی دارالعلوم امجدیہ ناگپور جنہوں نے بریلی شریف منظرِ اسلام سے تکمیل علوم کیا۔ اور جنہیں حضور مفتی اعظم کی خدمت اور سفر و حضر میں رفاقت کا بارہا شرف حاصل رہا۔ وہ اپنے مشاہدات و تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے ایک مجلس جس میں وہ خود موجود تھے۔ اس کا ایک واقعہ راقم سطور سے اس طرح بیان کرتے ہیں۔ (بتاریخ ۱۰ نومبر ۱۹۹۱ء در ناگپور) دسمبر ۱۹۷۱ء کی بات ہے۔ حیدرآباد دکن کی مشہور خانقاہ یحییٰ امسکن قاضی ٹولہ میں حضور مفتی اعظم تشریف فرما تھے۔ حیدرآبادی علماء و مشائخ بھی زینتِ محفل تھے۔ خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید محمد قادری مرحوم و مغفور جن کا ابھی دو سال پہلے انتقال ہوا ان کے کمرے میں یہ سبھی حضرات رونق افروز تھے۔ اور مختلف دینی و علمی موضوعات پر آپس میں تبادلۂ خیال ہو رہا تھا۔

اب آگے جو واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے اسے توجہ و انہماک کے ساتھ سماعت فرمائیں۔ جس سے حضور مفتی اعظم کی جرأت حق گوئی بھی ظاہر ہوتی ہے اور ترکِ نفسانیت و احتسابِ نفس کا جذبہ بھی آشکار ہو کر سامنے آجاتا ہے جو تقویٰ کی ایک نہایت اعلیٰ قسم ہے۔

محفل میں بیٹھے بیٹھے اچانک حضور مفتی اعظم کی نگاہ سامنے کی دیوار کی طرف اٹھی اور آپ نے استغفر اللہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہوئے سر نیچے جھکا لیا۔ چند ہی لمحات کے بعد پھر آپ نے نگاہ اوپر اٹھائی۔ اور توبہ، توبہ۔ استغفر اللہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے ہوئے دوبارہ سر نیچے جھکا لیا۔

حاضرین دم بخود تھے کہ آخر بار بار ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ سارے علماء و مشائخ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کی نگاہ سے وہ کون سی چیز اوجھل ہے جس کا

حضور مفتی اعظم مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ اور توبہ واستغفار فرما رہے ہیں۔
اسی عالم میں حضور مفتی اعظم کی آواز گونجتی ہے۔ کس نے اس کو لگایا ہے
اتارو۔ پھینکو۔
اب جو دیکھا گیا تو اوپر ایک طغری آویزاں ہے جس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔ ؎
اچھے تو بخشے جائیں گنہگار منھ تکیں — اے رحمتِ خدا تجھے ایسا نہ چاہیئے
آپ نے ارشاد فرمایا۔ رحمتِ خدا کے ساتھ ایسے نازیبا کلمات کا استعمال جائز نہیں۔ اس لئے صاحب خانہ (مولانا سید محمد قادری) اس سے توبہ کریں۔
حیدرآبادی تہذیب غالباً اس طرز عمل کی روادار نہ تھی اس لئے وہاں کے علماء و مشائخ اس جراَتِ حق گوئی کا ناخوشگوار اثر اپنے اوپر محسوس کر رہے تھے۔ چار و ناچار صاحب خانہ نے اس طغرا کو نیچے اُتارا۔ اور پھر اپنی اس غلطی پر اظہار ندامت و پشیمانی کرتے ہوئے بارگہِ خداوندی میں توبہ بھی کیا۔
اس پورے واقعہ کے دوران حیرت انگیز پہلو اس وقت سامنے آیا جب خود حضور مفتی اعظم نے عرض کیا۔ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں بھی توبہ کرتا ہوں۔
حاضرین کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ آخر اس وقت حضور مفتی اعظم سے کون سی غلطی سرزد ہوگئی جس سے وہ اپنے توبہ کا اظہار فرما رہے ہیں۔
اس وسوسہ کا ازالہ فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ تحریر کا ادب چاہیئے اور اس شعر میں چونکہ رحمت خدا کا لفظ بھی شامل ہے جس کا ادب ہر لحاظ سے ضروری ہے۔ اور اس کیلئے میری زبان سے اتارو پھینکو کا جملہ نکل گیا ہے جو خلاف ادب ہے۔ اس لئے آپ حضرات کو گواہ بنا کر میں بھی توبہ کرتا ہوں۔
پھر فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

مذکورہ بالا واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت مولانا مجیب اشرف اعظمی ثم ناگپوری نے ایک اور واقعہ بیان کیا۔ پہلا واقعہ اپنوں کی اصلاح سے متعلق ہے اور یہ دوسرا واقعہ غیروں کے سامنے کلمۂ حق کے اظہار و اعلان کا شاہکار ہے۔

۱۹۵۵ء کی بات ہے۔ حضور مفتی اعظم کو لکھنؤ سے بریلی شریف جانا تھا۔ ساتھ میں حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی موجودہ صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ اور مولانا مجیب اشرف بھی تھے۔

لکھنؤ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے ہی تھے کہ گاڑی نے رینگنا شروع کر دیا۔ عجلت میں یہ بھی حضرات ایک ڈبہ جو سامنے تھا اس میں داخل ہو گئے۔ اندر جا کر دیکھا تو سارے مسافر فوجی تھے۔ کیونکہ یہ ڈبہ ہی فوجی تھا۔ یہ فوجی اپنے انداز میں کچھ سوئے کچھ بیٹھے تھے۔ اور کچھ فوجی تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔

حضور مفتی اعظم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان فوجیوں سے کہا گیا کہ یہ بزرگ آدمی ہیں آپ لوگ تھوڑی سی جگہ دے دیں تاکہ یہ بیٹھ جائیں۔ اگلے اسٹیشن پر ہم لوگ اتر جائیں گے۔

اس گذارش پر فوجیوں نے کہا کہ اس ڈبہ میں آپ لوگ کیسے آ گئے یہاں کسی غیر فوجی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ بہر حال! ایک فوجی نے ناگواری کے ساتھ اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے تھوڑی سی جگہ خالی کر دی۔ جہاں حضور مفتی اعظم تشریف فرما ہوئے۔

فوجی آپس میں پہلے ہی سے کچھ مذہبی گفتگو کر رہے تھے۔ درمیان میں سلسلۂ کلام منقطع ہو گیا تھا۔ گاڑی جب باقاعدہ چلنے لگی تو انھوں نے پھر اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ اور حضرت عیسیٰ و حضرت مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازیبا کلمات

استعمال کرنے لگے۔

اتنا سننا تھا کہ حضور مفتی اعظم جلال کے عالم میں اپنا عصا لیکر اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا، خبیث! چپ رہ۔ زبان بند کر۔ حضرت سیدنا عیسیٰ کے بارے میں خبردار اس قسم کے الفاظ نہ بکنا۔

یہ سن کر ایک فوجی نے کہا۔ بڑے میاں! آپ کیوں غصّہ ہو رہے ہیں ہم تو کرسچین (مسیحی) لوگوں کے پرافٹ (پیغمبر) کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ آپ کے پیغمبر محمد صاحب کے بارے میں تو ہم نے کچھ نہیں کہا۔

اس پر حضور مفتی اعظم نے فرمایا۔ عیسائی خبیث ان کو پیغمبر کب مانتے ہیں وہ تو ان کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ پیغمبر تو ہم مانتے ہیں۔ اور ہر پیغمبر کی تعظیم و توقیر ہمارے مذہب میں فرض ہے۔ جس طرح ہم اپنے پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کسی ادنیٰ گستاخی و بے ادبی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کوئی نازیبا لفظ سننا گوارہ نہیں کر سکتے اس لئے اب اپنی زبان بند رکھ۔

اس جواب اور جرأتِ حق گوئی کا ان فوجیوں پر اتنا اثر ہوا اور ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ سب کے سب خاموش اور ششدر رہ گئے اور آپ سے معافی مانگنے لگے۔

پھر ایک فوجی نے پوری برتھ خالی کرتے ہوئے ایک فوجی کمبل اس پر بچھا دیا اور عرض کیا کہ آپ اس پر آرام کریں۔

حضور مفتی اعظم نے وہ کمبل اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ اور اپنے پاس جو بستر تھا وہ بچھا کر اس پر آرام فرما ہوئے۔

جب بریلی اسٹیشن آیا اور گاڑی سے آپ اترنے لگے تو سبھی فوجی ڈبہ سے نکل کر ہاتھ جوڑ کر آپ کو رخصت کرنے لگے۔ اور آپ کی عظمت و جرأت کا اعتراف کرتے ہوئے آپس میں آپ کی تعریف و تحسین کرتے رہے۔

ان حقائق و واقعات کی روشنی میں حضور مفتی اعظم کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ اپنے دور کے مفتی اعظم ہی نہیں بلکہ متقی اعظم بھی تھے، اور امام اہل تقویٰ بھی۔ ع تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو

مفتی اعظم اور دورِ حاضر کے علماء و مرشدین

مولانا بدر القادری اسلامک اکیڈمی ہالینڈ

علمائے دین کا اصل وقار حق گوئی و بیباکی ہے جسے اسلام نے "افضل الجہاد" کا مقام عطا فرمایا ہے، علم کو انحطاط ہو رہا ہے۔ دین کی قدریں پامال کی جا رہی ہیں ـــــ قرآن و حدیث کی منشا جاننے اور اس سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے بجائے، مصلحتوں کی پیروی کا رواج ہو رہا ہے ـــــ حالات کے رُخ پر ڈٹ کر حق کی صدا بلند کرنے والے روپوش ہوتے جا رہے ہیں۔

علمائے قدیم فرمایا کرتے تھے۔

> لوگوں پر عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک تندرست و توانا، موٹا تازہ شخص جس کے بدن پر چربی کی تہیں جمی ہوں شہر شہر تلاش و جستجو کرتے کرتے نحیف و نزار دبلا پتلا ہو جائے گا ـــــ لیکن اسے کوئی ایسا متقی نہ ملے گا جو سنّت پر عامل ہو، لوگ اپنی ذاتی رائے اور مصلحت آمیز باتوں کو فقہ کا نام دیں گے۔

خود مخبر صادق سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی قربِ قیامت علامتوں میں شریر فقہاء کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔

طبرانی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت قائم نہ ہوگی تا آنکہ کتاب اللہ کو عار سمجھا جائے گا۔ زمانہ باہم قریب ہوجائے گا۔ محبت و خلوص کم ہوجائے گا۔ خیانت کرنے والے امین بنا دیئے جائیں گے۔ امانت داراوں پر الزام لگایا جائیگا۔ جھوٹے کو سچا کہا جائے گا۔ سچے کو جھوٹا گردانا جائے گا۔ لوٹ مار قتل کی زیادتی ہوگی، بغاوت حسد اور کینہ فروغ پائیگا لوگ معاملات میں اختلاف کریں گے۔ خواہشات کی پیروی کی جائے گی، ظن و گمان، پر فیصلے صادر ہونگے علم اٹھالیا جائے گا جہالت بڑھے گی۔"

اسی طرح طبرانی سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ان لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو ہلاک کرنے والوں کی عزت کریں گے، اور عبادت کرنے والوں کو ذلیل سمجھیں گے۔ قرآن سے جو ان کی خواہش کے مطابق ہوگا عمل کریں گے اور جو خلاف ہوگا اس کو چھوڑ دیں گے، اس طرح وہ بعض پر ایمان رکھیں گے اور بعض سے کفر کریں گے۔"

ان فرامین مبارکہ کے صاف و شفاف آئینوں میں ہمیں قیامت کے نزدیک آنے کی آہٹ محسوس ہورہی ہے ذرا ایک اچٹتی سی نظر اس سرزمین پر ڈالئے جسے دنیا "عالم اسلام" کہتی ہے۔ ایک سے ایک قدآور اہل علم

دنیاوی آرام وآسائش کی دلدل میں پھنسے ہوتے ـــــ خواہشات منصب اور تفوق وبرتری کی دھن میں غرق ہیں ـــــ مسلم ملکوں کے اقتدار پر صیہونیت، مسیحیت، اشتراکیت، سامراجیت اپنے اپنے پنجے گڑائے ہوئے ہے ـــــ رسول اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے استمداد کو شرک وکفر گردانے والے، امریکہ، برطانیہ اوران کے حواریوں سے مدد کی بھیک مانگ رہے ہیں ـــــ مسلمان مسلمان کی گردنوں پر سوار ہے۔ مسلم حکومت مسلم حکومت کے خلاف جنگ کر رہی ہے ـــــ اور علماء خاموش ہیں اگر کوئی زبان کھولتا بھی ہے تو اپنے ملک کے حکمرانوں کی حمایت میں، دین و دیانت، حق گوئی اور سچائی کے گلے پر چھری پھیر کر مذہب کا کٹا ہوسر حاضر کر دیتا ہے۔ الامان والحفیظ سعودی حکمرانوں کو اپنی حکومت کی حفاظت کے لئے ربّ کعبہ سے زیادہ امریکہ پر اعتماد ہے ـــــ حرمین طیّبین کی فضاؤں سے کفّار ومشرکین کے طیّارے گذرتے ہیں ـــــ اور امام کعبہ خاموش ہے، رابطہ عالم اسلامی کی زبان پر تالے لگے ہیں۔ ایسی روح فرسا گھڑی میں ہمیں ـــــ ہندوستان کے شہر بریلی کا ایک مرد قلندر یاد آرہا ہے۔ جسے دنیا والے "مفتی اعظم اور اہل بریلی "بڑے مولانا"، کہا کرتے تھے۔

اللہ اللہ کیسی جرأت وبصالت تھی اس بندہ مومن میں جس نے کروڑوں ہندوؤں کی آبادی کے ملک میں رہ کر حکومت وقت کے فیصلے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ـــــ مصلحتوں کے پجاری سرنگوں ہیں حالات اور فضا کی برہمی اپنی جگہ ہے ـــــ نہ جانے کتنے صاحبان جبہ ودستار حکومت کے مزاج سے صلح کر چکے ہیں ـــــ علماء کے وقار پر دھبے لگ رہے ہیں ـــــ

اسلامی اور ایمانی جرأت کا خون ہو رہا ہے۔ پاس مادی وسائل نہیں ——
طوفان بلا، کو ٹالنے کا سامان نہیں۔ مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو رہا ہے۔ اور
حکومتی قانون کا سہارا لے کر نسبندی کے نام پر لاکھوں انسانوں کے سلسلہ توالد
وتناسل کو منقطع کر دیا گیا۔ عورتوں کے آپریشن کر دیئے گئے —— پولیس مدد
کر رہی ہے —— حکومتی اہل کار شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، محلہ محلہ اور
گھر گھر دستک دے رہے ہیں۔ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ اگر دو یا تین ہیں تو
نسبندی کرائیے۔ کہیں لالچ دے کر، کہیں ڈرا دھمکا کر، کسی پر زور دباؤ ڈال
کر آئندہ کیلئے لوگوں پر اولاد کا سلسلہ بند کیا جا رہا ہے۔

مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی تمام قوموں کے لیڈروں نے
حالات سے نظر پھیر لی ہے۔ اس وقت ایک اسّی ۸۰ سالہ بزرگ گوشہ نشیں،
مرد خدا مفتی اعظم کے کانوں تک بات پہونچتی ہے۔ آپ نے حالات کی
ناسازگاری، حکومت وقت کے ظلم و ستم، اور ملک بھر کے عام رجحان کے خلاف
اپنا فتویٰ صادر فرمایا۔ اور مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ خبردار کسی لالچ، حرص یا دباؤ
میں آکر مسلمان اس ناجائز کام میں ملوّث نہ ہوں۔ فتوے کی ہزاروں نقلیں
تیار کی گئیں اور تمام اطراف ہند میں بھیجی گئیں —— حکومت کے ایوانوں میں
بھی یہ فتویٰ پہونچا اور شہروں گاؤں اور بستیوں کے چوپالوں میں بھی اس کے
مضامین دہرائے گئے —— خدا کی قدرت ایسی کہ ایمرجنسی کے دوران
اسی نسبندی کے جبری نفاذ نے ہندوستان بھر میں برسراقتدار جماعت
کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ اور اس کے بعد جو حکومتی انتخاب عمل
میں آیا —— اس نے ایمرجنسی اور نسبندی کے ذریعہ ظلم و ستم کرنے

والوں کو بری طرح ذلیل کر کے رکھ دیا۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے تھے انداز خسروانہ

اس بارے میں حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی لکھتے ہیں۔

"ایمرجنسی کے دور میں ظالم و جابر حاکموں نے ظلم و جور کی حد کر دی، اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لئے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ، اس جور و ستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگی ہو گئیں، بلکہ ابن الوقت حکومت وقت کی حمایت میں اتر آئے، کرائے کے مفتی مسند افتاء کی مٹی پلید کرنے لگے ـــــ ایسے خوف و ہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم ہند کے ذریعہ، جنہوں نے اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ دیا اور سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشے گوشے میں روانہ کیا۔ چونکہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ و ترسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لئے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکا،،

(استقامت کانپور، مفتی اعظم ہند نمبر، مئی ۸۳ء ص ۱۲۶)

اس وقت ملک کی فضا کتنی مسموم تھی مسلمان اقلیت تو درکنار اکثریتی طبقہ کی زبانوں پر تالے لگے ہوئے تھے ایسے وقت میں جرأت رندانہ کا یہ اقدام کوئی مرد حق آگاہ ہی کر سکتا تھا۔ حضور مفتی اعظم کی اس شیرانہ جست نے مسلمانانِ ہند میں مسرت کی لہر دوڑا دی اور ہزاروں قلوب کی یاس و قنوطیت۔ بے بسی

وحرماں نصیبی کے دلدل سے نکل کر ایمان باللہ کی جلوہ گری دیکھنے لگے حضور مفتی اعظم کی ذات اس وقت اسلام کا مینار عظمت بن کر بلند ہوئی اور بریلی کی خانقاہ سے حسینی شان کا پرچم بلند ہوا ـــــــ حق گوئی وبیباکی کا پرچم

شہزادۂ خانوادۂ برکات مولانا سید محمد امین میاں مارہروی لکھتے ہیں۔

"یوں تو مجھے حضرت والا کی بہت سی باتیں متاثر کرتی ہیں مگر جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ "استقامت فی الدین" اور شرعی احکام کا کھلم کھلا اعلان ہے فیملی پلاننگ کے مسئلہ پر سارے علماء اور مشائخ نے رخصت پر عمل کیا، اکثر علماء نے سکوت اختیار کیا، اور بہت سے نام نہاد دیوبندی مفتیوں نے سرکاری روش کے حق میں فیصلے دیئے۔ مگر چونکہ مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے لہٰذا انہوں نے حق کا بآواز بلند اعلان فرمایا، اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ اس کا نتیجہ ان کے حق میں کیا ہوگا ـــــــ؟ اور تاریخ شاہد ہے کہ فیملی پلاننگ کے خلاف فتویٰ دینے کے باوجود ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ حضرت کی عمر شریف جہاد بالسیف کے دور سے گزر چکی تھی مگر ان کے قلمی جہاد نے ثابت کر دیا کہ

آئین جواں مرداں حق گوئی وبیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (ایضاً ص: ۱۳۸)

حضرت مولانا صوفی الحاج نظام الدین بستوی شیخ الحدیث مدرسہ تنویر الاسلام امرڈوبھا تحریر فرماتے ہیں۔

۱۹۷۶-۷۷ء کا وہ پرسوز دور جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک ایسے بھیانک طوفان میں کھڑا کر دیا تھا جہاں سے اسلامیانِ ہند کے سفینۂ اعتقاد کے تختے ٹوٹتے ہوئے نظر آرہے تھے سعودی ریال، امریکن ڈالر اور حکومت کے ٹکڑوں پر پلنے والے بنائے وقت علماء کے قدموں میں لغزش آگئی تھی، اور نس بندی کے جواز پر مسند افتاء پر بیٹھنے والے مفتیوں نے فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ ریڈیو اخبار کے ذریعہ خوب خوب پرچار بھی کیا گیا تھا۔ ہندستان کا مسلمان اب ایسے موڑ پر پہونچ چکا تھا، جہاں پر ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی، طوفان ہی طوفان تھے۔ پوری مسلم قوم ایک ایسے میر کارواں کی تلاش میں سرگرداں تھی جو اسے سہارا دے ایمان واعتقاد کی کشت ویراں کو لالہ زار بنائے، سب کی نگاہیں شہر عشق ومحبت پاسبانِ ناموس رسالت بریلی کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ یکایک بریلی کا مرد مجاہد، مخالفتوں کی تیز آندھیوں میں اپنے علمی وقار سے اٹھتا ہے، اور بمصداق حدیث شریف افضل الجہاد کلمۂ حق عند السلطان الجائر، ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل الجہاد ہے۔ آپ نے اعلان فرمایا۔

نسبندی حرام ہے ــــ حرام ہے ــــ حرام ہے۔ (ایضاً ص:۱۰۶)

یقیناً یہ جرأت مردانہ، اور حق وصداقت کے اعلان کا تیور حضور مفتی اعظم ہند کا حق تھا۔ ان کی زندگی کی کتاب میں مطالعہ کرنے والوں نے کوئی ایسا ورق نہیں پایا ــــ جب وہ کسی خلاف شرع امر کے مرتکب ہوئے ہوں یا کسی ناحق یا

یا مناسب بات کو سن کر، ان کے حق گو لبہائے مبارک خاموش رہے ہوں۔ کیوں نہ ہو ـــــ دین حق کی حمایت میں عمر عزیز کے شب و روز قربان کرنے والے مجاہد اسلام مجدد ملت کے شہزادے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف جامع دہلی میں اعلانِ جہاد فرمانے والے علامہ فضل حق کے جانشیں ہیں۔

جس کا نصب العین تھا اعلانِ حق تبلیغ حق
زندگی جس کی تھی شرع مصطفےٰ کا آئینہ

بلاد عربیہ کے علماء بلاد عرب میں تعلیم و تعلّم کا قدیم دستور باقی نہیں رہا دنیاوی تعلیم کے مدارس اسکول کالج اور یونیورسٹیوں میں ہی دینیات، اور اسلامیات اور دیگر علوم و فنون کے شعبے قائم ہیں۔ سعودیہ، مصر اور چند ایک اور ملکوں میں اسی اسلوب پر خاص اسلامی جامعات بھی ہیں۔ مگر ہر مسلم ملک میں دینی تعلیم کی پرانی روش کو تقریباً خیرباد کہہ دیا گیا ہے۔ اسی لحاظ سے قدیم بارسوخ علماء بھی کم ہو رہے ہیں۔

علمائے قدیم جیسی دین سے شیفتگی، والہیت اور فدائیت، دین اور مذہب کے لئے قربانی کے جذبات سرد پڑ رہے ہیں۔ مغربی طرز زندگی کا رجحان بڑھ رہا ہے علم حدیث، علم کلام، فقہ اسلامی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے ایک سبجکٹ کے لحاظ سے اپنے فن کو پڑھتے تو ہیں مگر اس میں فقہائے اسلام کی پاکیزہ نفسی، محدثین اسلام کے کردار کا پرتو، صلحاء کی زندگی کا عکس کہیں نظر نہیں آتا۔ مغربی تہذیب کا جنون اس بری طرح ان کے اعصاب پر سوار ہے کہ سب کچھ پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں، سیکھتے ہیں سکھاتے ہیں مگر خود ان کی زندگیاں مغربیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہیں (الا ماشاء اللہ)

عالم اسلام کے علماء میں دنیا طلبی، حصول مراتب اور مصلحت کوشی کی عادتیں عام ہو رہی ہیں۔ اور چونکہ علم دین خالص مقاصد دینی کے بجائے دوسری مصلحتوں کے تابع ہو گیا۔ اس لئے مسلم حکمرانوں کی غلط کاریوں پر حق بات کا اظہار کرنے کی جرأت بھی جاتی رہی۔

اگر واقعی یہی حصول دنیا ہے تو یقیناً، عرب حکمرانوں کے کرتوتوں کی حمایت کرنے والے اہل علم کیا اس فرمان نبوی سے غافل ہیں؟

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ	جس علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ
وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا	کی رضا جوئی کی جاتی ہے ایسے علم کو
لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا	جس کسی نے بھی دنیاوی غرض کیلئے حاصل
لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَعْنِيْ رِيْحَهَا	کیا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہیگا

(احمد اور ابو داؤد ـــــ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

پیران برطانیہ ہمارے قریبی ملک برطانیہ میں بھی بعض نام نہاد علماء اور پیروں نے مذہب کا بیڑا غرق کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے ان حضرات کے ذریعہ اصحاب صفہؓ کے فیوض کیا تقسیم ہوں گے، صفائے باطن کی نعمت کیا ملے گی، حصول زر، اور مریدوں معتقدوں کی بیش از بیش کھیتی اگانے کی ریس میں، برصغیر کی سیاسی تنظیموں جیسی تمام اخلاق سوز اسکیمیں بروئے کار لائی جاتی ہیں، ہر ایسا پیر اپنے مریدوں سمیت گویا اپنی الگ امت تشکیل دے رہا ہے۔ حقیقی فقراء اور درویش جو نام و نمود کے مخالف، پروپیگنڈے سے بیزار اور انسانی سینوں سے ریا کینہ حسد اور بغض جیسی نجاستوں کو پاک فرمانے کے منصب پر فائز ہوا کرتے تھے ـــــ ان کے حریص جانشینوں نے

امت اسلامیہ میں اپنے وجود سے ـــــ انتشار، اختلاف، اور تنافر بین المسلمین کے اتنے دروازے کھول دیئے ہیں کہ مغربی ماحول میں آنکھ کھولنے والی مسلمانوں کی نئی نسل نہ صرف "پاکیزہ تعلیمات صوفیاء" بلکہ اسلام سے منحرف ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے ـــــ ان پیروں میں بعض ایسے بھی ہیں جو مدیح مصطفےٰ کے اشعار، جو شاعر روئے والشمس اور زلف والیل والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پڑھتا ہے، اسے اپنی ذات پر منطبق کرتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ سر مجلس نعت خواں نے مازاغ البصر کی تشریح کرتے ہوئے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمانِ مبارک کی تعریف کی تو پیر جی نے اپنی آنکھوں پر انگلیاں پھیر لیں۔ زلفوں کا ذکر کیا تو اپنے بالوں پر ہاتھ گھما دیا۔ اور حضور اقدس کے روئے زیبا کی توصیف کی تو پیر صاحب نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ اور حسنِ اعتقاد میں سرشار مریدوں میں ـــــ ایک فدا کارانہ ہلچل مچ گئی ان میں کا ایک پیر دوسرے کے مریدوں پر اس طرح قبضہ کرتا ہے جس طرح مغربی لٹیروں نے ایشیا اور افریقہ کے علاقوں کو اپنے کالونی بنانے کے زمانے میں یورشیں کی تھیں

قدیم خانقاہیں تو بھید بھاؤ اپنے پرائے زبان و وطن کے خلاف اسلامی جہاد کا عملی مظہر ہوا کرتی تھیں، اب اہل ہوا کی جدید خانقاہوں میں مسلمانوں کو اسلام اور روح اسلام سے برگشتہ کرنے کے سارے طاغوتی اسلحے استعمال کرنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے ـــــ سکوں کی چمک محسوس ہو تو ان میں کے بعض پیر اپنے حاشیہ برداروں سمیت کسی اپنے سے ماڈرن (کتوں کی محافظت میں رہنے والے) پیر کے ہاتھوں بک بھی جایا کرتے ہیں ـــــ یورپ کی دنیا میں ایشیائی پیروں کے کئی طبقے ہیں۔ ان کے جو با اصول اور باوضع ہیں وہ تو گویا پیر

ہیں ہی نہیں ۔ یہاں کی دنیا میں یہ حضرات اپنی ساکھ جمانے کیلیے برطانوی سامراجیت کے تمام فرسودہ ہتھیاروں کو استعمال کرتے ہیں ۔ مظلوم علماء کی زبانی فقیر کو یہ روایت ملی ہے کہ یہ لوگ اپنے مکر و حیلہ کے ذریعہ مسلمانوں کی تنظیموں پر حاوی ہو جاتے ہیں اور مفتوحہ تنظیم میں کام کرنے کیلئے اپنا مولوی متعین کرتے ہیں جس مولوی کی ذمہ داریوں میں سے یہ اہم ذمہ بھی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پیر جی کے دامن سے باندھے ، بعض مولویوں سے ماہانہ اور سالانہ حساب لیا جاتا ہے کہ تم نے کتنے لوگوں کو ہمارا ہم خیال بنایا ۔ کارکردگی اگر متعینہ نشانے سے کم ہوتی ہے تو مولوی کی خیر نہیں ۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے مولوی کو ایسے جعلی پیر کی من گھڑت کرامت (جو دراصل کراہت ہے) بھی بیان کرنی پڑتی ہے ۔ ظاہر بات ہے اس قسم کے کام دین و دانش کا شعور رکھنے والا کوئی غیرت مند عالم تو کر نہیں سکتا ۔ لہٰذا پیروں نے نہایت چالاکی سے کام لیتے ہوئے بس نماز کی امامت ، فاتحہ خوانی ، ناظرہ کی تعلیم دینے ، اور دین کی معمولی شُدبُد رکھنے والوں ، مگر حلقہ کی توسیع میں مہارت رکھنے والوں کو ترجیح دینا شروع کر دیا ۔ بھول بھٹک کر کسی علمی غیرت رکھنے والے مولوی کو بلا بھی لیا تو وہ بہت جلد گلے کا قلادہ اتار کر آزاد ہو گیا ۔ پیر کی ساکھ پر جس کا غلط اثر پڑنا لازمی امر ہے ۔ کچھ مفاد پرست مولویوں نے ایسے پیروں سے تعلقات بھی رکھے ہیں تاکہ ان کے حلقے میں چرنے چگنے کا موقع ملتا رہے ۔ ایسے گھناؤنے ماحول کو دیکھ کر ہمیں برصغیر کے ان غریب اور مخلص خدام اسلام کے قدموں کی خاک چوم لینے کے لائق معلوم ہوتی ہے ۔ جنہوں نے تکالیف مصائب اور پریشانیوں کے باوجود اپنی علمی غیرت پر آنچ نہ آنے دی ۔

علمائے عرب اور پیران برطانیہ کے حالات کا آئینہ سامنے رکھ کر۔ ہم ماضی قریب کے ایک عالم ربانی، اور مرشد کامل کی حیات کا مطالعہ کریں تو مشرق و مغرب کا بعد نظر آئیگا۔

اور مفتی اعظم ہند ہم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کے لیل و نہار، سفر و حضر، خلوت و جلوت ہر عالم میں رضائے حق کے کاموں میں بسر ہوتے نظر آتے ہیں ـــــ اللہ کی مرضی کے لئے جینا اور اسی کی رضا جوئی میں زندگی کے سانس سانس کا محاسبہ کرنا حضور مفتی اعظم میں دیکھا گیا ـــ انہوں نے علوم اسلامیہ اور تعلیمات ربانی کی تبلیغ و اشاعت ہی میں اپنی عمر گذادی ـــ جاگیر دار تھے، زمینوں کے مالک تھے۔ یوں بھی اُن جیسے خدا آشنا بندوں پر، مال و دولت نچھاور کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں ـــــ مگر انہوں نے کبھی اپنے دامن کو دنیا طلبی سے آلودہ نہیں کیا ـــ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا ریحان رضا، رحمانی میاں فرماتے ہیں۔

"مفتی اعظم دنیا میں رہ کر بھی دنیا کے نہ ہوئے۔ بلکہ دنیا کے پیدا کرنے والے کے بن کر جئے۔ مہد سے لے کر لحد تک ۹۲ سال کی زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے آپ کی دنیا میں دلچسپی ظاہر ہو ـــــ (استقامت، مفتی اعظم نمبر ص ـ ۱۱۱)

حضرت رحمانی میاں اسی مضمون میں آگے ایک مقام پر لکھتے ہیں

"بار بار ایسا دیکھا گیا کہ دنیا والے بڑی بڑی پیشکش لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہیں مگر آپ ٹھکرا رہے ہیں۔ دولتمند ہزاروں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ آپ سختی سے رد کر رہے ہیں۔ جب کسی نے بہت اصرار کیا تو ایک روپیہ اس کی دلجوئی کی خاطر لے لیا۔ اور اگر

آمدنی کو مشکوک سمجھا تو کسی قیمت پر کوئی نذرانہ قبول نہیں کیا یہ تھے
ہمارے مفتی اعظم ! ــــ کاش مولویان زر پرست اور پیران
تجارت پیشہ ان کے کردار سے کچھ سبق حاصل کرتے۔ اور دین و
ملّت کی بے غرض خدمت کرتے۔" (ایضاً ص ۱۱۹)

خادمانِ اسلام کا سب سے عظیم انعام اللہ جلّ شانہٗ کی رضا اور حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی ہوتی ہے ــــ مال و دولت جائز راستوں اور حلال بنیادوں پر حاصل ہو تو لینے میں کوئی حرج نہیں مگر پاکبازانِ امت کے بے داغ سجادے حرص و ہوا کی آماجگاہ بن جائیں تو دردمند مسلمان رو پڑتا ہے ــــ گلیم بوذر اور چادر زہرا زراندوزی کیلئے نہیں ہیں پنجاب کے ایک دیدہ ور نے انہی حالات کا مشاہدہ کر کے کہا تھا۔
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن ـ

مگر آنکھ والو! آؤ تمہیں سکّوں کی جھنکار کے متوالوں، ڈالروں، ریالوں اور پونڈوں کی بھیڑ میں ایک نرالی شخصیت کی زیارت کراتا ہوں جس کے اُجلے دامن کی خیرات آج بھی ہزاروں خانقاہوں ہزاروں مدارس، اور محراب و منبر کے وارثین میں نظر آتی ہے۔

"پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد پی۔ ایچ۔ ڈی، سندھ کی زبانی سنو۔
عشق و محبّت نے اس (حضور مفتی اعظم) کو ایسا مست و بیخود کر دیا تھا کہ نہ کسی کی جاہ و حشمت نظروں میں جچتی تھی اور نہ مال و دولت ــــ ان کے والد گرامی نے ان کو اور اپنے تمام وابستگان کو یہ نصیحت کی تھی۔

"تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو
درکنار اشاعت دین وحمایت سنت میں جلب منفعت کا
خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصتاً لوجہ اللہ ہو"

(الرضا شمارہ ربیع الآخر وجمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ ص ۹)

اس ہدایت ونصیحت پر ایسا عمل کیا کہ باید وشاید۔ متاع غرور سے ایسی نظریں پھیریں کہ پلٹ کر بھی نہ دیکھا ـــــ سنئے سنئے:۔
حج بیت اللہ شریف سے بمبئی واپسی ہے ایک مرید باصفا نے ایک گراں قیمت کار اس نیت سے خریدی کہ بمبئی سے بریلی تک اس میں لے جائے۔ اور جب بریلی پہونچے تو یہ کار نذر کردے۔ بمبئی سے روانہ ہوئے ـــــ جاں نثار وفدا کار راستے میں زیارت کرتے رہے۔ بریلی پہونچے ا آرزو کا وقت آگیا ہے ـــــ مرید وفا شعار دست بستہ کھڑا ہے
اپنی کار خدمت اقدس میں نذر گزران رہا ہے مگر
ان کی نگاہ کی رفعت کا عالم نہ پوچھئے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

ـــــ وہ حرماں نصیب اپنی کار واپس لے کر لوٹ رہا ہے مگر جو یم جاناں سے درس محبت لے کر لوٹ رہا ہے۔ جس کی نظر میں محبوب سما جائے پھر اور کوئی نہیں سما سکتا ہے ساری آرزو کا حاصل صرف ایک آرزو ہو جاتی ہے۔

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کبھی کچھ مل جائے سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

(ایضاً ص ۹)

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے محاسن واخلاق کے آئینہ خانے سے ورع واتقاء، خدمت خلق، غربا نوازی، انکساری وتواضع، مروّت وخیر خواہی مساکین واہل حاجت سے ہمدردی اور اہل ثروت سے احتساب وغیرہ متعدد اہم نگینے دور حاضر کے علما کے تقابل میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جو سب اپنی جگہ قابل توجہ بھی ہیں ــــ اور لائق تقلید بھی۔ مگر میری دوسری مصروفیات مانع ہیں۔ توفیق ایزدی شامل حال رہی تو "سوانح مفتی اعظم" میں اس کی آرزو کی تکمیل کرونگا۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ

دامن نگر تنگ وگل حسن تو بسیار
گلچیں بہ ازیں تنگیٔ داماں گلہ دار

خدمت علماء میں دردمندانہ گذارش

برائیوں کو مٹانا اور نیکیوں کو فروغ دینا اسلام کے خدام کی اہم ذمہ داریاں ہیں۔ جہاد جیسا اہم فریضہ بھی ازالۂ منکر ہی کی ایک قسم ہے ــــ یورپ ہو یا امریکہ ــــ ایشیا ہو یا افریقہ ــــ دنیا کے ہر خطہ میں برائیاں، مفاسد اور منکرات کا نہایت سرعت سے فروغ ہو رہا ہے ــــ وہ امور جو کھلم کھلا، صراحتاً حرام ہیں ــــ اور تو اور مسلمانوں میں فروغ پا رہے ہیں ــــ ایسے حالات میں علمائے اسلام کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔؟

اسلام کے داعیٔ اعظم، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

اذا ظهرت الفتن او قال البدع فليظهر العالم علمه ومن لم يفعل ذالك فعليه لعنة	جب ظاہر ہوں فتنے یا فرمایا بدعتیں، تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے، اور جو ایسا نہ کرے۔ اس پر اللہ، فرشتوں اور

لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین — انسانوں تمام کی لعنت،

لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا — اللہ تعالیٰ اس کا فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

اللہ اکبر! کتنی شدید تہدید ہے۔ پڑھ کر روح کانپ جاتی ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جسم میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے ـــــ کون سی برائی ہے جو ہمارے گردو پیش نہیں پنپ رہی ہے۔؟ کون سا فساد ہے جو بھیانک اژدہا بن کر مسلمانوں کے سامنے کھڑا نہیں ہے۔؟

سب سے بڑھ کر اسلام دشمن عالمی سامراجی بین الاقوامی نظام جو دجّال بن کر مسلمانانِ عالم کو ان کے دین و ایمان سے برگشتہ کرنے میں شب و روز مشغول ہے۔ اور اپنی فتنہ پرور سازش سے "ملعون رشدی" جیسے بیشمار اسلام کش خنجروں کو صیقل کرنے میں مشغول ہیں ـــــ اسی کے ساتھ ساتھ قادیانیت، بہائیت نجدیت اور رافضیت کے سیلاب۔ دولت و حکومت اور وسائل تشہیر کا سہارا لے کر اسلام کو کمزور کر رہے ہیں ـــــ مسلمانوں میں بے عملی کی وبا عام ہے۔ شراب، قمار، زنا، فواحش و منکرات اور بیحیائیوں کی تیزی سے اشاعت ہو رہی ہے ـــــ خادمان اسلام طبقہ پر نظر دوڑایئے تو ـــــ ایک بہت بڑا طبقہ پیری مریدی کے نام پر شب و روز استحصالِ زر میں لگا ہوا ہے۔ مکر فریب، دجل اور عیاری ہے وہ کون سے حربے ہیں جو ان حریصانِ زر کے استعمال میں نہیں۔ ایسے لوگوں کی سلسلہ بندی، دوڑ دھوپ، مجلس سازی جلسے جلوس۔ ع ـــــ ایں ہمہ از پئے آنست کہ زر می خواہد ـــــ وطن اور زبان کے نام پر دھڑے بندیوں، اور گروپ سازی کی وبا عام ہے ـــــ ایسے میں امت کے حال زبوں کی ذمہ داریاں کس پر عائد ہوتی

ہیں ـــــ کیا ہم ان ذمہ داریوں کے زمرے سے خارج ہیں۔؟ـــــ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو آیئے کم از کم اپنے گرد و پیش کو اسلامی تعلیمات اور عملی روشنی سے ہمکنار کرنے کا کوئی مضبوط پروگرام بنائیں۔ سرزمین یورپ پر ہماری مسلمان نسلیں ارتداد کے نشانے پر ہیں پیشینی مسلمان شراب و شباب میں ملوث ہیں۔ جوا، اور حرام غذاؤں سے بہتیرے مسلمان اپنے باطن کو گندہ کر رہے ہیں۔ اٹھئے کہ اپنے بھائیوں کو ان لعنتوں سے بچانے کا سامان کریں۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر ناداں عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

مفتیٔ اعظم افقِ سیاست پر

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
لکچرار شعبۂ تقابل ادیان ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفےٰ رضا خاں کی وہ ذات گرامی ہے جنہوں نے زندگی کے ان تمام شعبوں میں اپنی یگانگت برقرار رکھی جن میں عام طور سے ہر شخص کی دست رسی نہیں ہو پاتی ہے مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر عبادت و ریاضت سے لے کر میدان کے ہنگاموں تک انہوں نے جو نمایاں خدمت انجام دی ہیں رہتی دنیا تک ان خدمات کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی ملک وملت سے متعلق ایسے ایسے مسائل پیش آئے جسے سوچنے کے بعد آج بھی کلیجہ منھ کو آنے لگتا ہے مگر جس جرأت اور مجاہدانہ عزیمت کے ساتھ مفتی اعظم نے اس کا مقابلہ کیا وہ تاریخ ہند کے اوراق پر زرّیں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں اس درویشانہ زندگی بسر کرنے والے شخص کا اس طرح میدان میں آکر اسلام دشمن عناصر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور پھر اعلائے کلمۃ حق کر کے فتح و کامرانی سے ہمکنار ہونا بقول سعدی اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تقسیم ہند سے قبل شدھی تحریک نے جس طرح شر و فساد پھیلائے اور مسلمانوں پر جس جس انداز میں مظالم ڈھائے گئے وہ کسی سے مخفی نہیں زبردستی مسلمانوں کو شدھ کیا جاتا اور روپیوں کی لالچ دے کر ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت پیدا

کی جاتی طمع پرست انسان ان کے دام فریب میں آکر اپنے مذہب کا سودا کر ڈالتے یہ سلسلہ اس قدر بڑھا کہ شہر شہر دیہات دیہات اس کی وبا عام ہو گئی۔ اور نوبت بایں جارسید کہ ہندو ببانگ دہل اعلان کرنے لگے کہ "چار کروڑ مسلمانوں کو شاشتر اور شستر (تلوار) کے ذریعہ شدھ کیا جائے گا" (۱) ساتھ ہی وہ ایسے نعرے بھی لگاتے جسے سن کر مسلمان کا خون کھول جاتا انھوں نے اپنی تقریروں میں بارہا مسلمانوں کو گھٹمل، آب زمزم کو کیچڑ، گندگی۔ وضو کو ڈھکوسلا، رکوع کو اچک بلی، اور سجدہ کو مرغا بتا کر مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے" (۲) الغرض ایک منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو ہندو بنایا جارہا تھا۔ قتل وخوں ریزی کا بازار گرم تھا یہ قتل عام اس لئے تھا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری اس مقصد میں ہندو اپنی گندی سیاست کے پیش نظر کامیاب بھی رہے۔ مگر وہ ذات مفتی اعظم کی تھی کہ بلند عزائم وحوصلے کے ساتھ جاں کی بازی لگا کر میدان میں نکل کر میلوں بھوکوں پیاسوں پیدل چل کر تبلیغ دین کی۔ مشرکین کے دام تزویر سے مسلمانوں کو گمراہی سے بچایا اور جو مسلمان دھوکہ میں آکر مرتد ہو گئے تھے انھیں ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور دامن اسلام سے دوبارہ وابستہ کر دیا،، (۳)

مفتی اعظم ہند شیر بیشۂ سنّت مولانا حشمت علی اور دوسرے علماء نے شدھی تحریک کے خلاف جس مجاہدانہ طرز عمل کا ثبوت دیا اس کے شواہد جماعت رضائے مصطفیٰ کی فائلوں میں اب بھی محفوظ ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کارناموں کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ اس دور کے علماء، مبلّغین، واعظین اور کلمہ ونماز کی تبلیغ کرنے والے اچھی طرح سمجھ لیں کہ تبلیغ کس طرح اور کس ماحول میں کی جاتی ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں ضبط ولادت کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل

نہیں اس مسئلہ پر علماء دو گروہوں میں بٹ چکے تھے ایک گروہ مسئلہ اجتہادی کہہ کر اس کے جواز کے حق میں تھا۔ جس کی نمائندگی دارالعلوم کے مہتمم قاری محمد طیب فرمارہے تھے اور دوسرا گروہ جس کی قیادت کی باگ ڈور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھی۔ نسبندی کے اس رستاخیز ماحول میں انجام کی پروا کئے بغیر احقاق حق اور ابطال باطل کر ہی دیا۔ اور فرمادیا کہ نسبندی حرام ہے حرام ہے حرام ہے (۴)۔

لیکن سب سے بڑھ کر مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کارنامہ ہے جو انہوں نے تقسیم ہند کے موقع سے انجام دیا۔ اس وقت ہندوپاک میں جس طرح کشت وخون اور قتل وغارت گری کا ماحول تھا۔ لوگ جانوں کے وقتی تحفظ کیلئے وطن اور املاک وجائداد کا سودا کرکے اور سودا بھی نہیں بلکہ یوں ہی لاوارث چھوڑ کر پاکستان چلے گئے ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بھاری جمعیت پاکستان میں مقیم ہوگئی۔ جنہیں آج مہاجرین کے نام سے جانا جاتا ہے پاکستان کیوں اور کس طرح وجود میں آیا۔ لوگ اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر وہاں کیوں جانے پر مجبور ہوئے اس کی ایک طویل داستان ہے جس کے لئے راقم کی کتاب "مولانا حشمت علی اور تحریک پاکستان" کا مطالعہ کرنا چاہئے مختصر طور پر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس انتشار میں سیاسی پارٹیوں کے علاوہ عام بھولے بھالے سیدھے سادے انسان سیاسی بازی گری کے سبب حصوں میں بٹ گئے علماء کی جمعیت کئی گروپوں میں تقسیم ہوگئی دیوبندی مکتبہ فکر کے اکثر علماء کانگریس کے حامی تھے جبکہ علمائے اہلسنت وجماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے کر قیام پاکستان کی جدوجہد کرنے لگے کچھ علماء ایسے تھے جو نہ تو مکمل طور سے مسلم لیگ کے حامی تھے اور نہ ہی مخالف بلکہ خذ ما صفا ودع ما کدر"

کے مصداق لیگ کے اچھے کارآمد اصولوں کی قدر اور باطل اصولوں کی تردید کرتے تھے اور سیاسی اعتبار سے ان کا نقطۂ نظر دوسری جماعتوں سے بالکل منفرد تھا ایسے لوگوں میں شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی، تاج العلماء مولانا محمد میاں مارہروی، ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری، حافظ ملت مولٰنا عبد العزیز مراد آبادی اور صاحب تذکرہ مفتی اعظم ہند کے علاوہ ان کے بڑے بھائی حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہم الرحمہ والرضوان کا نام نامی اسم گرامی لیا جاسکتا ہے۔

سب سے زیادہ قابل غور پہلو یہ ہے کہ علمائے اہلسنت کے باوقار اور سنجیدہ طبقہ میں اس طرح کی سیاسی کشمکش کیوں اور کس طرح پیدا ہوئی اس کی مختصر روداد اس طرح دی جاسکتی ہے۔

۱۹۳۶ء میں جب ان صوبوں میں جہاں ہندو اکثریت تھی کانگریس کی منسٹری قائم ہوئی تو متعدد جگہوں پر سنگین قسم کے ہندو مسلم فسادات ہوئے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا اکثر طبقہ کانگریس سے بیزار ہوکر مسلم لیگ میں شامل ہوگیا صرف وہ لوگ جو دیوبندیوں کی جمعیۃ العلماء ہند کے زیر اثر تھے وہ کانگریس کے ساتھ رہ گئے ان دنوں مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح تھے کانگریس اور لیگ کے درمیان مفاہمت کی بھی کوششیں ہوئیں مگر کامیابی نہ مل سکی ان دونوں سیاسی پارٹیوں میں بنیادی اختلاف یہ تھا کہ کانگریس مخلوط انتخاب چاہتی تھی جس کے لئے اس نے اپنا دستور بھی مرتب کرلیا تھا مگر مسلم لیگ اس کی مخالفت کرتی تھی اس کا کہنا تھا کہ اقلیتوں کو ان کی تعداد کے لحاظ سے جداگانہ انتخابات کا حق دیا جائے جیسا کہ انگریزوں کے دور میں تھا جب کانگریس نے کسی بھی قیمت پر اس مشورہ کو تسلیم نہیں کیا تو مسلم لیگ نے ایک منظم پلان کے تحت پاکستان کا نظریہ پیش کردیا اور وہ اس طرح

کہ جس صوبے میں مسلم اکثریت ہے وہ صوبہ مسلم لیگ کو دے دیئے جائیں اور جو صوبے ہندو اکثریت کے ہیں وہ کانگریس کو دے دیئے جائیں اس پر کسی طرح سمجھوتہ نہ ہوسکا اور اس مسئلہ کو لے کر شدید اختلافات رونما ہوئے عام مسلمان خواہ کہیں اور کسی صوبے کا ہو وہ پاکستان کے حامی بن گئے صرف دیوبندی مکتبۂ فکر کی جمعیۃ العلماء جس کے صدر ان دنوں حسین احمد ٹانڈوی تھے کانگریس کے ساتھ رہ گئی نیز صوبہ سرحد کے عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی اور عطاء اللہ بخاری احرار پارٹی کے صدر وغیرہ کانگریس کے معاونین میں تھے۔

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ گورنمنٹ کی درج ذیل فہرست میں مسلمانوں کی غالب اکثریت اہلسنت وجماعت کی تھی اگر سارے علماء ومشائخ متحد ہوکر مسلم لیگ کی مخالفت کرتے تو لیگ اسی وقت اپنا دم توڑ دیتی اور اس کا خاطر خواہ فائدہ کانگریس کو پہونچتا۔ اور نتیجتہً پاکستان اور بنگلہ دیش میں عدم تقسیم کی صورت میں کانگریس کی حکومت ہوتی اور جس طرح ہندوستان کے ان صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومت تھی مسلمانوں کو ذلیل ورسوا کر کے مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے ان صوبوں میں بھی یہی حال ہوتا اس خطرناک صورتحال سے بچنے اور مسلم قوم کو بچانے کیلئے علماء ومشائخ نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا مگر چونکہ مسلم لیگ کے سربراہ مسٹر محمد علی جناح تھے اور انہوں نے یہ صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ پاکستان میں غیر مذہبی جمہوری حکومت قائم کی جائے گی اس لئے اہلسنت وجماعت کے کچھ مقتدر علماء نے خاموشی اختیار کرلی اور مسلم لیگ کی کسی بھی طرح حمایت واعانت سے اپنے کو محفوظ کرلیا۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی

سیاح ایشیا مولانا عبد العلیم میرٹھی جیسے دانشور علماء نے مسلم لیگ کی حمایت میں کسی قسم کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس جس کا قیام مارچ ۱۹۲۵ء میں مراد آباد کی سرزمین پر دو روزہ کانفرنس میں ہوا تھا اس کا اصل نام "الجمعیۃ العالمیۃ المرکزیۃ" تھا۔ لیکن شہرت آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے ملی اس تنظیم کے ناظم اعلیٰ چونکہ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) اور صدر پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری (متوفی ۱۹۵۱ء) تھے اس لئے مسلم لیگ کی حمایت کرنے میں بھی آل انڈیا سنی کانفرنس۔۔ کے پلیٹ فارم سے یہی لوگ پیش پیش تھے اس سلسلے میں ان حضرات نے تمام علمائے اہلسنت کی تحریک پاکستان کے سلسلہ میں حمایت اور پرزور اعانت کیلئے مختلف مقامات پر کانفرنسیں منعقد کیں لیکن بنارس کی سرزمین پر اپریل ۱۹۴۶ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس ہندوستان کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھی اس کانفرنس کی صدارت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی جب کہ نظامت کے فرائض شاہ عبد العلیم میرٹھی اور شاہ عارف اللہ قادری نے انجام دیئے اس کانفرنس میں علماء و صوفیاء نے جس جوش اور جذبے کے ساتھ شرکت کی وہ تاریخ کا ایک حصہ بن گیا یوں تو اس کانفرنس میں کئی قرار دادیں منظور ہوئیں لیکن وہ قرارداد جو تحریک پاکستان کی حمایت میں تھی اسکا خلاصہ یہ ہے۔

"آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے ہر امکان قربانی کے واسطے تیار ہیں اور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہی اصولوں کے مطابق ہو۔" (۵)

اس کانفرنس میں دوسرے جلیل القدر علماء کے علاوہ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان نے بھی شرکت کی جو کچھ اس کانفرنس میں طے ہوا اسے علماء وصوفیاء نے مل کر دکھایا ان حضرات کا یہ نعرہ ——

"نیندیں حرام کر کے اور پیٹ پر پتھر باندھ کر گلی گلی کوچے کوچے جا کر تحریک پاکستان کو کامیاب بنایا جائے" (۶)

سچ ثابت ہوا اور علمائے اہلسنت کی شبانہ روز جد وجہد سے قیام پاکستان سے متعلق خواب شرمندہ تعبیر ہو ہی گیا یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے انگلی کاٹ کر شہیدوں میں نام لکھوانے کے مترادف اس کا پروپیگنڈہ اعلیٰ پیمانے پر کیا اور کر رہے ہیں کہ پاکستان علمائے دیوبند کی کوششوں کا نتیجہ ہے جبکہ تاریخ بتاتی ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی شبیر احمد عثمانی کے علاوہ کسی کا بھی مسلم لیگ سے کوئی تعلق کبھی نہیں رہا۔ تحریک پاکستان کو کامیاب بنانا تو درکنار ان علماء نے جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے اس تحریک کو ناکام بنانے کی جو جد وجہد کی ہے وہ تاریخ کا ایک حصہ بن چکی ہیں جس سے چشم پوشی کبھی نہیں کی جا سکتی مولوی شبیر احمد عثمانی نے تو اس وقت مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی اور دانشوروں کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ اب تو قیام پاکستان ناگزیر ہے اس لئے مسلم لیگ کی بدترین مخالف جماعت جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہنے کے باوجود مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر دیا اس کا ثبوت ان کے اس خطبہ سے ملتا ہے جو انہوں نے مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ منعقدہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۴۵ء کے موقع پر دیا تھا۔

راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اس شش و پنج میں رہا اور یہی وجہ

ہے کہ خاص تاخیر سے میں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور کیا اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں اور استخارے کئے بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ امام محمد بن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے (۷)

لہٰذا ایسی صورت میں یہ دعوی کہ قیام پاکستان علمائے دیوبند کی کوششوں کا نتیجہ ہے بالکل بے بنیاد اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے چونکہ عثمانی صاحب کا قیام پاکستان سے متعلق فکر فکرِ مستعار تھا اس لئے فیصلہ کرنے میں تاخیر ہوئی

اب ایک سوال جو رہ رہ کے سر اٹھاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس حقائق ومعارف کی روشنی میں مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے کیا پالیسی اختیار کی اور مسلم قوم کی اس موقع سے کس انداز میں رہنمائی فرمائی یہ تو تاریخی حقائق سے ثابت ہی ہوگیا کہ بنارس کانفرنس میں مفتی اعظم ہند شریک تھے اس میں شک نہیں کہ مفتیٔ اعظم ہند کا موقف تقریباً تقسیم ہند کے ابتدائی مراحل میں مسلم لیگ سے متعلق ہی تھا جو دوسرے اساطین ملت کا لیکن جب مسٹر محمد علی جناح کی حکمت عملی اور اس کے صحیح موقف کا علم ہوگیا تو پھر یہ مسلم لیگ سے کچھ بیزار سے ہوگئے اور انہوں نے اس موقع سے قرآن واحادیث کی روشنی میں جو فیصلہ کیا وہ بالکل برحق تھا وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جس جماعت میں ہر فرقہ کے لوگ شامل ہوں اور اس کی باگ وڈور گمراہ فرقہ کے ہاتھ میں ہو اس کی امداد واعانت کس طرح جائز ہوسکتی ہے۔ باوجود قدرت گمراہ فرقوں کی ماتحتی قبول کرنا تو دور ہے ان کے ساتھ میل جول خلط ملط بھی جائز نہیں، جلسوں، اخباروں میں مسٹر جناح کو سیاست کا نبی اور قانون کا

پروردگار کہا گیا مگر علماء خاموش رہے کسی میں ٹوکنے اور روکنے کی ہمت نہ ہو سکی اور دوسری طرف خود جناح کا اعلان کہ پاکستان میں غیر مذہبی جمہوری حکومت ہوگی۔
یہی دو اسباب تھے جس کی وجہ سے اہلسنت وجماعت کے کچھ علماء مسلم لیگ کی حمایت سے برطرف ہو گئے لیکن جیساکہ گذشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ سُنّی علماء کے سامنے مسلم لیگ کی حمایت کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ ہی نہیں تھا۔
اس لئے کچھ لوگ تو جی جان کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت میں سرگرم عمل رہے مفتی اعظم ہند تحریک پاکستان کے مخالف قطعی نہیں تھے البتہ مسلم لیگ سے اس کے کچھ اصول وضوابط کے سبب بیزار ہو گئے تھے چوں کہ ردّ عمل میں اتنا تشدد نہیں تھا اس لئے وہ نہ تو دوسروں کو روکتے اور نہ ہی ان کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کرتے۔ بعض علماء نے تو برطرفی کا اعلان ہی نہیں کیا بلکہ آل انڈیا سنّی کانفرنس سے مستعفی بھی ہو گئے۔ مسلم لیگ کی بے راہ روی سے حساس دلوں میں جو تاثر پیدا ہوا اس کی ایک مثال مفتی شریف الحق امجدی کے وہ خون کے آنسو ہیں جو اشک رواں نامی کتاب کے صفحات پر جا بجا بکھرے پڑے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔
"سُن لو اور غور سے سُن لو لیگ اور کانگریس ایک ہی مسمّٰی کے دو نام ہیں
ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں ایک ہی گیت ہی چھری کی دو دھاریں
کون انکار کر سکتا ہے کہ لیگ کے جنم دینے والے وہی لوگ نہیں ہیں جو کسی وقت کانگریس کے روح رواں تھے لیگ کے پرورش کرنے والے اس کے پروان چڑھانے والے وہی لوگ نہیں ہیں جو کسی وقت کانگریس کے جسم وجان تھے کس پر پوشیدہ ہے کہ مسٹر محمد علی جناح وہی محمد علی جناح نہیں جو کسی وقت کانگریس کا بہت بڑا علمبردار تھا علی برادران وہی علی برادران نہیں جو کسی وقت کانگریس کا رکن رکین تھے۔ (۸)

حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۷۶ء) مسلم لیگ سے اس قدر بیزار ہوئے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس جو ہر طرح مسلم لیگ کی حمایت میں تھی اور جس کے ناظم مولانا نعیم الدین مرادآبادی تھے اس سے بھی مستعفی ہو گئے اور اپنا استعفیٰ بنارس سنی کانفرنس کے صدر حضرت مولانا محمد میاں چھوچھوی محدث اعظم ہند کی جناب میں ارسال کر دیا اور چوں کہ صدر الافاضل سنی کانفرنس کے ناظم اعلیٰ تھے اس لئے اس کی ایک کاپی ان کے پتے پر بھی روانہ کی اس استعفا کی نقل "الارشاد" اور راقم کے مقالہ "حافظ ملت۔ سیاسی شعور و آگہی" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (۹)

حافظ ملت نے "الارشاد" نامی کتاب میں حالات حاضرہ سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے اور آخر میں اس تنظیم سے جدائیگی اور مسلم لیگ سے نفرت و بیزاری کے اسباب بھی بیان کئے ہیں رسالہ کے آخری صفحات میں رقمطراز ہیں۔

"ان مختصر دلائل کی روشنی میں آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو گیا کہ جس طرح کانگریس کی شرکت و اعانت ناجائز و حرام ہے اسی طرح بحکم شریعت لیگ کی شرکت و اعانت بھی ناجائز و حرام ہے اور ثابت ہو گیا کہ سنی کانفرنس لیگ کی موئد ہے مسٹر جناح پر اپنے مکمل اعتماد کا اعتماد کرتی ہے اسلئے میں سنی کانفرنس سے مستعفی ہو گیا۔ (۱۰)

حافظ ملت کے علاوہ دوسرے علماء کی لیگ سے نفرت و بیزاری کا فیصلہ اس فتویٰ کی تائید سے کیا جا سکتا ہے جسے مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے "اجمل الانوار الرضا" کے نام سے شائع کیا اس کتاب پر سیکڑوں علماء و مشائخ کی تائیدات ہیں۔ مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے وقت کی نباضی کرتے ہوئے

اسلامی قوانین کی روشنی میں جو فیصلہ صادر فرمایا وہ بالکل برمحل اور تقاضائے وقت کے عین مطابق تھا جس شخص میں اس قدر اسلامی حمیت اور مذہب سے محبت ہو اور لگاؤ ہو وہ بھلا کیوں کر ایسے موقعوں پر غفلت برت سکتا ہے جب قوم تباہی کے دہانے پر جا رہی تھی تو ان کی دور بین نگاہوں نے یہ تاڑ لیا تھا کہ اس کے اثرات بہتر نہیں نکل سکتے پاک و ہند میں تباہی و بربادی کی لہر مسلمانوں کے حق میں یکساں رہے گی اور ہندوستانی مسلمانوں کی طرح پاکستانی عوام بھی چین کی نیند نہیں سو سکیں گے۔ مستقبل کی پروا کئے بغیر مسلمان جس طرح اپنی جائداد چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اس سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس پاکستان میں جا رہے ہیں جہاں انسان نہیں کروبیاں بستے ہوں۔ وہاں جرم و فساد نفرت و عداوت نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی اسی وجہ سے علاقوں محلوں سے ایسے لوگ چلے گئے جہاں آج مسلمان اکا دکا کے علاوہ ڈھونڈنے سے نہیں ملتا بطور ثبوت مولانا یٰسین اختر اعظمی کا یہ قول برمحل ہوگا۔

"تقسیم ہند کے بعد جب کہ مسلمان اور ہندو دونوں ایکدوسرے کے خلاف سخت مشتعل تھے اور برصغیر ہندوستان میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی اور صبح و شام خوف و ہراس کے گذر رہے تھے بالخصوص ان علاقوں میں جہاں مسلمان نقارۂ رحیل بجا کر اپنا رخت سفر باندھ رہے تھے ایسے ہنگامہ خیز دور میں آپ مسجد ہی میں نماز ادا کرنے جاتے اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے اور وقت پر مسجد پہنچ جاتے دنیا آج بھی جا کر دیکھ سکتی ہے کہ محلہ سوداگران بریلی میں صرف آپ کا

خاندان آباد ہے بقیہ سب ہندو ہیں جن میں کثیر تعداد شرنارتھیوں کی ہے (۱۱)

یہ تو رہا اس وقت کا ہندوستان اور آج کا ہندوستان کس طرح ہے اسے لکھنے کیلئے دفتر درکار ہے۔ مختصر یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو روستم جس طرح ہو رہا ہے اسے ہم اور آپ اپنے ماتھے کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور پاکستان وجود میں آنے کے بعد جس سبز باغ کا خواب ہمارے علماء دیکھ رہے تھے اس سلسلہ میں حکومت الٰہیہ اور نظام مصطفےٰ کو عملی شکل دیکر اس کے مطابق زندگی بسر کرنا تو درکنار اپنی بات کو حکومت کے پلیٹ فارم سے منوانے میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ ہندوستان کے جن مسلمانوں نے پاکستان بنوایا تھا اور جس کے لئے انہوں نے ہندوؤں کے مظالم سہے تھے وہ پاکستان گئے تو ان کے ساتھ وہی معاندانہ سلوک کیا گیا جو ہندوستان کے شر پسند ہندو یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ برت رہے ہیں۔ مہاجرین کو قتل کرنا ان کے مکان و املاک نذر آتش کرنا برباد کرنا انھیں ذلیل و خوار کرنا وغیرہ وغیرہ آج پاکستان میں مہاجر قوموں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے وہ کسی شخص پر مخفی نہیں اور ہندوستان میں باقی ماندہ مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے اسے بھی بیان کرنے کی ضرورت نہیں یہی وہ عناصر تھے جسے دور اندیشی سے کام لے کر مفتی اعظم ہند نے مسلم لیگ سے نفرت و بیزاری کا اعلان کیا کہ جب حصول پاکستان سے پہلے ہی اس تنظیم کے اساطین کا یہ موقف ہو بقول جناح :۔

" پاکستان میں حکومت الٰہیہ ہرگز قائم نہیں ہوگی پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہوگا جس میں غیر مسلموں کا بھی حصہ ہوگا پاکستان میں کٹھ ملاؤں

کی حکومت نہیں ہوگی۔ (۱۲)

تو کیوں کر مفتی اعظم ہند جیسا دانشور، مفکر اور مذہبی رہنما اس کی حمایت کرتا اسی لئے انھوں نے ایک سائل کے جواب میں یہ لکھنے میں قطعاً دریغ نہ کیا۔

"لیگ بدمذہبوں اور بددینوں پر مشتمل ایک جماعت ہے جس میں اہلسنّت بھی برخلاف حکم شرع داخل ہو گئے ہیں اور از آنجا کہ اس کے کرتا دھرتا لوگوں میں بددین ہیں تو وہ بدمذہبوں ہی کی ایک چکڑی ہے یہ اسی ندوے کی طرح ہے جس کا فتنہ تقریباً ۵۰ سال پہلے رونما ہے جس کے رد میں علمائے اہلسنت خصوصاً امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بے شمار تصنیفیں فرمائیں اور ملک بھر میں شائع کیں برسہا برس تو جس کا تحریری و تقریری رد فرمایا گیا اور مسلمانوں کو اس سے بچایا گیا ہرگز ہرگز اس کی رکنیت اس کی امداد و اعانت اور اس کے جلسوں میں شرکت نہ کی جائے مجھ پر یہ بہتان و افترا ہے کہ میں نے کبھی زبانی یا تحریری فتویٰ اس کی امداد و اعانت کے جواز کا دیا ہے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

یہ تہمت ایسی ہے جیسے خود مطلب لوگوں نے حضور پرنور سیدنا الوالد الماجد اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا مولوی حاجی شاہ احمد رضا خانصاحب قدس سرہٗ العزیز پر انگریزوں کی حمایت و اعانت کا جیسا افترا برسوں کیا ہے جیسے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا دامن اس داغ سے پاک ہے یوں ہی فقیر کا دامن اس داغ سے کہ لیگ کی امداد و اعانت لیگ کی شرکت

کے جواز کا فتویٰ دیا۔ (۱۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری غفرلہٗ

۲۶ صفر مظفر ۱۳۶۰ھ

جس جلیل القدر شخصیت کا یہ فرمان کہ لیگ کی امداد و اعانت کسی طرح جائز نہیں پھر اس کے بارے میں یہ خیال کہ اس نے لیگ کی حمایت میں فتویٰ دیا سراسر غلط بے بنیاد اور انتہائی جہالت پر مبنی ہے چنانچہ انہوں نے صاف صاف واضح لفظوں میں کہدیا کہ مجھ پر لیگ کی حمایت کا الزام کھلا ہوا افتراء و بہتان ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بریلی دارالافتاء سے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک تار بھی ارسال کیا گیا جس کی نسبت مفتی اعظم ہند کی طرف پرزور انداز میں کی گئی اس ٹیلی گرام میں مسلم لیگ کے موقف کی پرزور حمایت کی گئی تھی وہ ٹیلیگرام ۱۵ جولائی ۱۹۴۵ء کو "انجام" دہلی میں شائع ہوا پھر اسے ۱۴/۷ نومبر کو الفقیہ امرتسر نے نقل کیا الفقیہ نے لکھا ہے۔

"خیال کے ماتحت شملہ کانفرنس کے زمانہ میں دائرے کو حضرت مولانا مولوی مصطفےٰ رضا خانصاحب مدظلہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ رضویہ بریلی کی جانب سے لیگ کی تائید میں تار بھی بھیجا گیا جو ۱۵ جولائی ۱۹۴۵ء کے روزنامہ انجام دہلی میں شائع ہوا حضرت مولانا موصوف اس وقت برائے حج بیت اللہ تشریف لے گئے ہیں نیز سنی کانفرنس نے جس کے صدر حضرت مولانا موصوف ہیں اپنے بنارس کے حالیہ جلسہ میں مسلم لیگ کا تعاون کرنے اور

اسکی تائید وحمائت کرنے کا صاف طور سے اعلان کیا ہے۔ (۱۴)

اس اخباری مضمون میں شروع سے آخر تک شکوک وشبہات کے لہجے میں گفتگو کی گئی ہے گفتگو کا آغاز ہی ماتحت سے ہوا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہوائی محل ہے جو اعتماد کے مختصر جھونکے سے ہی مسمار ہو سکتا ہے۔ ٹیلیگرام کی یہی نقل ماہنامہ ضیائے حرم ۱۹۷۷ء میں بھی شائع ہوئی کہتے ہیں کہ جھوٹ اتنی بار بولا جائے کہ سچ معلوم ہونے لگے شاید یہی حکمت عملی مفتی اعظم ہند کی جانب منسوب اس ٹیلی گرام میں اختیار کی گئی ہے۔ اس ٹیلیگرام کی حقانیت وصداقت کہاں تک ہے خدا جانے ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ جس شخص کی زندگی کا لمحہ لمحہ شرعی اصول وضوابط آئینہ دار ہو اور اسی کے مطابق اس کے شب و روز گذر رہے ہوں وہ مسلم لیگ کے اصول وضوابط کے پیش نظر کیوں اس کی حمایت کا دم بھرتا اور کیونکر ٹیلی گرام دے کر لیگ سے متعلق اپنے موقف کا اعلان کرتا۔ اس کا فیصلہ قارئین اور سامعین پر ہے مفتی اعظم ہند کا وہ فتویٰ قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے جس میں انہوں نے صراحت کے ساتھ لیگ میں شرکت کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے یا وہ ٹیلی گرام جو شکوار تیاب کی وادیوں سے گذر کر کئی واسطوں سے انجام دہلی، الفقیہ امرتسر، ضیائے حرم لاہور میں شائع ہوا اگر بالفرض کسی حد تک اس کی صداقت کا شمہ برابر اعتراف کر بھی لیا جائے تو یہ اسوقت کی بات ہوگی جب لیگ کی پالیسیاں اس طرح ابھر کر سامنے نہیں آئی ہوں گی کہ اس پر کسی قسم کی شرعی گرفت کی جا سکے بہر حال یہ ایک موہوم خیال ہے جس میں صداقت کی گنجائش نفی کے برابر ہے اس فتویٰ کے پیش نظر اس ٹیلیگرام کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی جیسا کہ ماہنامہ فیض الرسول میں ہے۔

"اس ایمان افروز فتوی سے ظاہر ہو گیا کہ مذکورہ تار کی نسبت مفتی اعظم ہند کی طرف غلط اور بے بنیاد سوائے ایک فریب اور عوام کو دھوکہ دہی کے علاوہ کچھ نہیں۔(۱۵)

البتہ ہمارے وہ علماء جو پاکستان میں مقیم ہیں انہوں نے ہر چند یہ کوشش کی ہے اور کچھ شواہد بھی پیش کئے ہیں کہ مفتی اعظم ہند نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے ثبوت کے طور پر انھوں نے بنارس کانفرنس کی شرکت کو پیش کیا ہے یہ طے ہے کہ مفتی اعظم ہند نے اس میں شرکت کی ہے اور شرکاء میں ان کے دستخط بھی ہوں گے مگر جہاں تک رہا بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا سوال تو یہ اب بھی قابل غور ہے کیونکہ مفتی اعظم ہند کا کوئی ایسا بیان اس مشتبہ ٹیلی گرام کے علاوہ سامنے نہیں آیا جس کے سبب اعتماد کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت کا ثبوت مفتی اعظم ہند کے حوالے سے کسی طرح فراہم کیا جا سکے۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کے ممبران شروع میں تقریباً تمامی علمائے اہلسنت تھے اس لئے اس پلیٹ فارم سے جو آواز اٹھائی گئی شرعی حدود سے باہر نہیں تھی کیونکہ اس تنظیم نے اس سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا تھا اس کا اعلان دبدبۂ سکندری رامپور میں ان لفظوں میں شائع ہوا تھا

"آل انڈیا سنی کانفرنس مسلم لیگ کے اس طریقۂ کار کی تائید کر سکتی ہے جو جو شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو .....

مسئلہ پاکستان یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئین شریعت کے مطابق فقہی اصول پر حکومت کرنا سنی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے"(۱۶)

جب تک سُنّی کانفرنس اپنے اصول وضوابط پر کاربند تھی جملہ علمائے کرام دوش بدوش شانہ بشانہ مل کر کام کرتے رہے لیکن جب ان اصولوں کی خلاف ورزی کی گئی اکابر علماء کا خیال کئے بغیر مسلم لیگ کے تمام اصول ودساتیر کو من وعن تسلیم کر کے اس کی حمایت کا اعلان کیا گیا تو کچھ علماء سنی کانفرنس سے مستعفی ہو گئے اور کچھ لوگوں نے خاموشی اختیار کر لی اور کچھ اہل علم نے سنی کانفرنس کے عمائدین سے تحریری استفسار بھی کئے اس سلسلہ میں کیا ہوا کیا نہیں اس کی ایک طویل داستان ہے۔ بہرحال مختصر یہ کہ مفتی اعظم ہند کے مذکورہ فتویٰ نے تریاق کا کام کیا لوگوں کی آپسی شکر رنجی دور ہو گئی اور بیچ کی خلیج پاٹنے میں اس سے کافی مدد ملی۔

مفتی اعظم ہند نے جو تار ارسال کیا تھا اس میں مسلم لیگ کے جس نقطۂ نظر کی حمایت کی گئی تھی وہ صرف یہ تھا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت ہے بس! جس کا پس منظر دراصل یہ تھا۔

> ”وائسرائے ہند لارڈ ویول نے شملہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کرانے کے لئے ایک کانفرنس کی مسلم لیگ کا موقف تھا کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے جب کہ کانگریس متحدہ ہندوستان کے تمام باشندوں کی نمائندگی دعویدار تھی حضرت مفتی اعظم ہند نے قائداعظم کے نام ایک تار میں مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کی حمایت کی،، (۱۷)

اس تار سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی سیاسی تنظیم ہے اس لئے کہ اس کے بالمقابل کانگریس پارٹی تھی جو بہرحال مسلمانوں کی سیاسی پارٹی نہیں، اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مفتی اعظم ہند

مسلم لیگ کے اصول ونظریات کو من وعن قبول کرتے تھے اور بہر نوع اس کی حمایت کے حامی تھے اس تار سے مفتی اعظم ہند کی لیگ سے ہمدردی اور اس کی اعانت کا ثبوت فراہم کرنا سوائے خوش فہمی کے اور کچھ نہیں۔

ایک بار میں پھر اس کی وضاحت کر دوں کے قیام پاکستان سے متعلق مخالفت نہیں کی گئی بلکہ مخالفت ان اصول وضوابط کی کی گئی جس کے پیش نظر حصول پاکستان کی جد وجہد کی جاتی رہی مفتی اعظم ہند کے فتویٰ میں قیام پاکستان پر کوئی رد نہیں البتہ مسلم لیگ تنظیم پر رد وقدح ہے اسی وجہ سے اس تنظیم سے دور ونفور کا مشورہ دیا گیا اگر قیام پاکستان کی مفتی اعظم ہند نے مخالفت کی ہوتی تو بقول کسے بریلی حلقہ سے لڑنے والے امیدوار عزیز احمد ایڈوکیٹ کو پاکستان کے حق میں اپنا ووٹ نہیں ڈالتے۔

حواشی

(۱) روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۱ر مئی ۱۹۵۴ء

(۲) روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۱ر مئی ۱۹۵۴ء

(۳) ماہنامہ استقامت کانپور مفتی اعظم ہند نمبر ص ۱۹۴ ۱۹۸۳ء

(۴) ماہنامہ حجاز دہلی مفتی اعظم ہند نمبر ص ۱۰۶ ۱۹۹۰ء

(۵) ماہنامہ فیضان لاہور ص ۲۸ ۱۹۷۸ء

(۶) ماہنامہ فیضان لاہور ص ۲۷ ۱۹۷۸ء

(۷) خطبات عثمانی پروفیسر نور الحسن شیر کوٹی ص ۱۷۳ لاہور ۱۹۷۲ء

(۸) اشک روان ، مفتی شریف الحق امجدی ، ص ۵۶ ، گیا ۱۳۶۵ھ

(۹) حافظ ملت ، افکار و کارنامے ، مبارک حسین ، ص ۸ ، ۱۹۹۰ء

(۱۰) حافظ ملت ، افکار و کارنامے ، مبارک حسین ، ص ۸ ، ۱۹۹۰ء

(۱۱) ماہنامہ حجاز ، دہلی ، مفتی اعظم ہند نمبر ، ص ۹۴ ، ۱۹۹۰ء

(۱۲) الارشاد حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مراد آبادی ، ص ۱۷

(۱۳) احکام دینیہ ضروریہ ، ملک نیاز احمد ، ص ۲ ، کانپور

(۱۴) ماہنامہ فیضان ، لاہور ، ص ۴۸ ، ۱۹۷۸ء

(۱۵) ماہنامہ فیض الرسول ، بستی ، ص ۲۳ ، جنوری ۱۹۸۵ء

(۱۶) دبدبۂ سکندری ، رامپور ، ۲۹ مارچ سنہ بحوالہ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس مولانا جلال الدین قادری ، ص ۳۲۸ ، لاہور

(۱۷) ماہنامہ حجاز ، دہلی ، مفتی اعظم ہند نمبر ، ص ۹۷ ، ۱۹۹۰ء

مفتی اعظم کی جرأتِ ایمانی

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شررؔ مصباحی
لکچرر طبیہ کالج (دہلی یونیورسٹی)، قرول باغ نئی دہلی ۵

نوٹ:

شبیہ غوث الاعظم حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سیرتِ مطہرہ اور تعلیمات مقدسہ پر عالمی سمینار کے انعقاد پر اراکین رضا اکیڈمی بمبئی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ حضور پرنور کے علمی کارنامے جو تحریر کے شکل میں موجود ہیں ان پر سیر حاصل گفتگو کیلئے بہت وقت ہے لیکن آپ کے روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے والے ایک ایک کر کے ہمارے درمیان سے رخصت ہو رہے ہیں اسلئے میری گذارش ہے کہ جو لوگ حضور مفتی اعظم کے صحبت یافتہ ہم میں موجود ہیں اور جنہیں سفر و حضر میں آپ کا روحانی فیض حاصل ہوتا رہا ہے وہ اپنے مشاہدات اور تاثرات کو معرض تحریر میں لانے کیلئے عجلت کریں ورنہ مرورِ ایام کیساتھ یہ دولت ناپید ہو جائیگی

میرے مقالہ کا عنوان ہے:

"ایمرجنسی کا پرُ خطر دور —— اور حضور مفتی اعظم کی جرأتِ ایمانی"

اس حقیر مقالہ سے پہلے چند رباعیات حصول برکت کے لئے حضور مجدد اعظم اور مفتی اعظم کی بارگاہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

حضور مجدّد اعظم کے تعلق سے:

اے محترم المقام اعلیٰحضرت
اے مفتخر الانام اعلیٰحضرت

اُرسِلتَ مجدداً علیٰ راسِ مائۃ
یا اعلمنا الانام اعلیٰحضرت

جاں بہر نثار راہ اعلیٰحضرت
ہاں بہر نثار راہ اعلیٰحضرت

صد بار اگر بمیرم و زندہ شوم
آں بہر نثار راہ اعلیٰحضرت

شیخ است مرا شہید اعلیٰحضرت
ہم شیخش از عبید اعلیٰحضرت

آں پیر کہ پیر پیر پیرم پیرم
ورخ و رخ کہ منم مرید اعلیٰحضرت

ما قادری و غلام اعلیٰحضرت
مسکین درِ امام اعلیٰحضرت

در نسبت عام و خاص مطلق دیدیم
خاص است غلام عام اعلیٰحضرت

اے صاحب عزّ و جاہ اعلیٰحضرت
اے ہنر پناہ اعلیٰحضرت

باندی ہے ردی تیری قوافی ہیں غلام
اے ملک سخن کے شاہ اعلیٰحضرت

حضور مفتی اعظم کے تعلق سے:

اے نہر یم سائل اعلیٰحضرت
اے نور مہِ کامل اعلیٰحضرت

ما تشنہ لبانیم و شبِ ما تاریک
اے فاعل ما۔ قابلِ اعلیٰحضرت

اے حامد و مصطفائے اعلیٰحضرت
نور و نم چشمہائے اعلیٰحضرت

اے دجلۂ علم و اے فرات دانش
یک جرعہ مرا برائے اعلیٰحضرت

اے شمع سر محفل اعلیٰحضرت
اے متصل و واصلِ اعلیٰحضرت

در طرف چپ پدر بسیار امیدی
زیرا کہ تو بودی دل اعلیٰحضرت

محمد فضل الرحمٰن شرر مصباحی

ایمرجنسی کا پُر خطر دور ___ اور مفتی اعظم کی جرأت ایمانی

ایمرجنسی اور نسبندی کا مہیب دور تھا جس کی ہولناکی سے پورا ملک تپ لرزہ میں مبتلا تھا۔ نسبندی کارضا کارانہ عمل افسران کی طرف سے جبر و تشدد کے قالب میں ڈھل چکا تھا، حامیوں کیلئے کوٹے، پرمٹ اور لائسنس وغیرہ کے عطایا تھے، حرف گیری کرنے والوں کیلئے حقوق سے دستبرداری، ملازمت سے برطرفی اور جیل کی کال کوٹھری کا عذاب تھا۔ علماء سو نسبندی کے فیوض و برکات کا وظیفہ گردانتے تھے اطبا کرام اس کے محاسن و فضائل کا خطبہ پڑھتے تھے، ڈاکٹر صاحبان اس عمل کو بے ضرر اور مفید صحت ثابت کرنے کیلئے سائنس کے اصول مسلمہ میں خود غرضی کی جزئیات ڈھونڈتے پھرتے تھے، چھوٹے چھوٹے نیتا گاؤں گاؤں پھیری لگا کر نسبندی کے کیس بٹور کران کے سرٹیفکٹ سے پیسے کماتے تھے اعلیٰ افسران میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا انتہا پسندانہ جذبہ کارفرما تھا، پولیس کی ٹولی ایمرجنسی کی برکت سے جس شریف کو چاہتی جوتوں لاتوں خاطر کر کے تھانے کی حوالات میں ڈھکیل آتی غرضیکہ پورے ملک پر خوف و دہشت کا عفریت راج کر رہا تھا اور غریب جنتا کا عرصۂ حیات ان دونوں جڑواں بہنوں کے ہاتھوں تنگ تھا۔

نسبندی کے مبینہ عوامل اسلامی احکام و تعلیمات کے معارض تھے اسلئے مسلمانوں کی بے چینی اور غم وغصہ فطری بات تھی۔ لیکن افسران کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس کلیہ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیتے، اسی اثنا میں چند ایمان فروش مسلمان بڑی دور کی کوڑی لائے اور افسران حکومت کی نگاہوں میں سرخ رو ہونے کی

غرض سے یہ صلاح دی کہ اگر کچھ اکابرین ملت ہتھے چڑھ جائیں اور انھیں رام کرلیا جائے تو کل الصید فی جوف الفرا، کا مقصد حاصل ہو جائے کیونکہ جب مفتیان دین بذات خود نسبندی کی شرعی افادیت کیلئے رطب اللسان ہوں گے تو اسے قبول کر لینے میں مسلمانوں کو کوئی تامل نہ ہوگا۔ چنانچہ اس نسخہ کیمیا کی عجلت کے ساتھ آزمائش شروع کر دی گئی۔ سب سے پہلے ایک مکتب فکر کے مشہور و معروف شیخ کہن سالہ کی ذات شریف کو تجربہ کیلئے منتخب کیا گیا پھر کیا تھا آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن میں صدا بندکی ہوئی حضرت جی کی آواز تھی اور خلق خدا کے گوش سماعت۔ معلوم نہیں یہ تائیدی کلمات آں جناب کے دہن مبارک میں روایتی حلوے مانڈے کی طرح اترتے گئے تھے یا نیم پختہ زمین قند کی طرح حلق کی عشاء مخاطی کو کھرپتے چھیلتے البتہ دیکھا یہ گیا کہ ایک طرف افسران اپنی کامیابی پر بغلیں بجا رہے تھے۔ دوسری طرف امت اپنے حکیم پر تین حرف بھیج رہی تھی۔ کسی شاعر نے کہا ہے

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو،

ایک تو امیر عنبی اوپر سے نسبندی کا لے بھجنگ پر چیتھڑا بھلا کہاں تک نظروں کو بھاتا نتیجہ یہ ہوا کہ آں بدولت کا تلقین و ترغیب کا جادو کارگر نہ ہوا بلکہ ان کے خلاف نفرت و حقارت اور بے اعتمادی کا انکھوا پھوٹ پڑا جو بعد میں تناور درخت کی شکل میں دیکھا گیا

مگر وہ افسر ہی کیا جس کے اندر افسری کی تڑک بھڑک نہ ہو۔ ہمت ہارنا اور ہمت ہار کے بیٹھ جانا تو ہم نصیبوں کا نصیب ہے، چنانچہ افسروں کی چیرہ دستیاں بڑھتی گئیں نئے شادی شدہ جوڑے کی نسبندی کنوارے کنواریوں کی نسبندی حد یہ کہ گور میں پاؤں لٹکائے ہوئے ۸۰ سالہ بوڑھوں کی نسبندی گویا ہندوستان

ایمرجنسی کا ایک کھیت تھا جس میں نسبندی خود رو گھاس کی طرح جمتی اور پھیلتی جا رہی تھی۔

ایمرجنسی و نسبندی کے انھیں عروج و کمال کے ایام میں لکھنؤ کے اولڈ وڈھالیک نورس میں میری ملاقات مولانا ریحان رضا خاں (رحمۃ اللہ علیہ) سے ہوئی، دوران گفتگو وہ یکایک غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو گئے پھر گویا ہوئے کہ مجھے آج ہی بریلی جانا چاہئے نہ جانے حضور مفتی اعظم پر کیا گذر رہی ہوگی میں نے حیرت واستعجاب کے ساتھ پوچھا کہ ایسی کیا بات ہے؟ کیا مفتی اعظم پر خدانخواستہ .... مولانا نے جواباً فرمایا کہ حکام کا دباؤ پڑ رہا ہے کہ مفتی اعظم ایک بیان جاری فرمادیں تاکہ اس کی روشنی میں مسلمان کھلے دل سے نسبندی کی ضرورت اور افادیت کے معترف ہو جائیں، سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ ظاہر ہے مفتی اعظم ایسا نہیں کر سکتے اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں افسران انھیں گرفتار نہ کرلیں۔

حضور مفتی اعظم ہند نہ صرف ہندوستان اور برصغیر کے اہلسنت وجماعت میں بلکہ پورے عالم اسلام میں مرکزی شخصیت تھے آپ کی ذات شریف قطعی غیر متنازعہ تھی یقیناً آپ کا فرمودہ ایک ایک حرف مسلمانان عالم کیلئے حرز جاں تھا لیکن کس قدر حیرت وافسوس کی بات ہے کہ ایک ایسے بندۂ خدا سے دنیا داری کی توقع کرلی گئی تھی جو اپنی دنیا کو دین ومذہب کے نام پہ کب کا قربان کر چکا تھا جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا اور رسول کی رضا میں صرف ہوا ہو اور ربواطیل کے خلاف سینہ سپر رہنا جس کا شعار رہا ہو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کا سر جبر و مصلحت کے آگے جھک جاتا۔ میں نے ریحان ملت سے عرض کیا کہ حضرت آپ گرفتاری کا اندیشہ ظاہر کر رہے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ

افسران کو حضور مفتی اعظم کے غیر معمولی اور ہمہ گیر اثرات کا بخوبی اندازہ ہے اسلیئے انھیں گرفتار کرنے کا اقدام کر کے وہ ایک نئی غلطی کا ارتکاب نہیں کریں گے لیکن ریحان ملت نے کہا کہ افسران کی نیت اچھی نہیں ہے وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں مجھے بریلی جانا چاہیئے۔ الغرض مولانا ریحان رضا خاں صاحب جو خود بھی اتر پردیش ودھان پریشد میں حکمراں پارٹی کے ممبر تھے بریلی شریف تشریف لے گئے۔

چند روز بعد کی آمدہ خبروں سے پتہ چلا کہ افسران حکومت نے ہر پہلو سے دباؤ ڈالا لیکن مفتی اعظم ہند کی ایک نہیں تو ہزار نہیں۔ نتیجۃً کار ساری توقعات پر جو افسران نے سابقہ تجربے کی بنیاد پر قائم کی تھیں پانی پھر گیا، ابھی چند روز اور گزرے ہوں گے ایک تحریر حضور مفتی اعظم کے قلم حقیقت رقم سے منظر عام پر آئی جس سے اس عمل کے غیر فطری اور غیر شرعی ہونے کی مدلل وضاحت کی گئی تھی اور یہ ہدایت بطور خاص تھی کہ اس فتوئی کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں چھپوا کر عامۃ الناس کو حکم شرعی پر مطلع کیا جائے۔

اگر ایمرجنسی کے اس اختلاج زدہ ماحول کا تصور کیا جائے تو یہ تحریر ایک ایسے مرد خدا کا قلمی شاہکار نظر آئے گی جو اپنی زندگی کو صرف خدا کی امانت سمجھتا ہو یقیناً متذکرہ تحریر ہم تک پہنچنے سے پہلے سرکاری میز کی زینت بن چکی ہوگی اور حالات کی سنگینی پر سر جوڑ کر غور و خوض بھی ہوا ہوگا۔ لیکن چارۂ کار بھی کیا تھا ارباب حل و عقد کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ مفتی اعظم کو گرفتار کر لینے کے بعد اگر ہندوستان کے سارے سرکاری دفاتر کو جیل خانے میں تبدیل کر دیا جاتا تو بھی حضور مفتی اعظم کے عقیدت کیشوں کو ٹھونسنے کیلیئے ؛ جائے تنگ ست، کار دنا باقی رہ جاتا۔

ایسے نمونہ سلف، عالم باعمل، صاف ظاہر، پاک باطن مرد حق آگاہ

کیلئے ہمارا بہترین خراج عقیدت یہ ہے کہ ہم خدا اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر یہ عہد کریں کہ جس طرح حضرت مرحوم نے باطل قوتوں کے خلاف صف آرا ہو کر انبیاء صادقین کی سنت کریمہ کا پرچم بلند کیا، اسلام کے خلاف جب بھی طاغوتی طاقتیں سر ابھاریں گی ہم مفتی اعظم کی زندگی اور تعلیمات کو زرہ بنا کر سرخروئی کے ساتھ زندہ رہنے کا حق حاصل کریں گے اگر قوم مسلم اپنے اسلاف کی زندگی کو نمونۂ حیات بنا کر زندہ رہنا چاہتی ہے تو آج بھی فتح و نصرت اور تائید غیبی کی دستک کو دروازوں پر سُنا جا سکتا ہے، البتہ جبر و مصلحت کے آگے سر ٹیک دینے والے اور کل تک انگریزوں کی غلامی کا دم بھرنے والے اپنی رسوائی کا تماشہ کھلی آنکھوں دیکھتے رہیں گے۔

یا مفتیٔ اعظم آپ تو دنیائے فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی میں جا بسے اور ہاتف غیبی کے مژدہ یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کا لبیک وسعدیک سے استقبال کیا لیکن امت مسلمہ کی کشتیٔ حیات منجدھار میں ہے اب بھی آپ کے تصرفات روحانی کا پتوار ہی اسے ساحل مقصود سے ہمکنار کر سکتا ہے، اب بھی ہمیں مصائب و آلام کی چلچلاتی دھوپ میں آپ ہی کے ظل کرم کا سہارا ہے، آج بھی ہم بیکسوں کی لاج آپ ہی کے ہاتھ ہے۔

اے رہ نوردِ عالم بالا چگونۂ
ما بے تو در ہمیم تو بے ما چگونۂ

بندہ عاصی: محمد فضل الرحمٰن مصباحی
لکچرر طبیہ کالج (دہلی یونیورسٹی) دہلی - ۵

حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی

مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی
ایم۔ اے علیگ

"یہ مقالہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحبزادے عارف باللہ علامہ اجل حضرت شاہ مصطفےٰ رضا خاں قادری برکاتی معروف بہ مفتی اعظم ہند متخلص بہ نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کے متعلق "حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی" کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں اسلوب نعت کی رواداری کے ضمن میں کلام کی پیکریت پر بحث کی گئی ہے" (راقم غفرلہٗ)

نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ سِحْرًا وَاِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکَمًا (۱) اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض بیانات میں جادوئی اثر اور بعض اشعار میں حکمت و دانائی ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت شعرائے متقدمین و متاخرین کے دواوین ہیں جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اشعار نے وقت پر کتنا اہم کارنامہ انجام دیا ہے اور کیسے کیسے ماحول کی کایا پلٹ کی ہے اس دعویٰ کے پیش نظر نظامی عروضی سمرقندی کے یہ خیالات بڑی اہمیت کے حامل ہو جاتے ہیں:

شاعری صناعتی ست کہ شاعر — شاعری ایک ایسی صنعت ہے کہ شاعر

بداں صناعت اتساق مقدمات موہمہ کند و التیام قیاسات منتجہ برآں وجہ کہ معنیٔ خرد را بزرگ گرداند و معنیٔ بزرگ را خرد و نیکو را در خلعتِ زشت باز نماید و زشت را در صورت نیکو جلوہ کند و بایہام قوتہائے غضبانی و شہوانی را برانگیزد تا بداں ایہام طباع را انقباضی و انبساطی بود و امورِ عظام را در نظام عالم سبب شود۔ (۲)

اس سے مقدمات موہمہ کی ترتیب اور قیاسات منتجہ کی آمیزش ایسے طریقہ پر کرتا ہے کہ چھوٹے معنی کو بڑا کر دیتا ہے اور بڑے کو چھوٹا، نیز عمدہ کو بُرے لباس میں ڈھال دیتا ہے اور قبیح کو صورت جمال میں جلوہ گر کر دیتا ہے۔ ایہام کے ذریعہ قوت غضبانی و شہوانی ابھارتا ہے تاکہ تاکہ اس ایہام سے طبیعت کو سرور وانبساط حاصل ہو اور نظام عالم میں بڑے کاموں کی دلیل بنا دے۔

شاعری کے تنوعات میں نعت، قصیدہ، مثنوی، رباعی، غزل اور نظم وغیرہ سبھی آتے ہیں۔ ان جملہ اصناف میں پیکر تراشی کی قدریں کچھ زیادہ ہی قدیم ہیں۔ خصوصاً قصائد کی تشبیب اور غزل میں پیکر کا عنصر بہت پرانا ہے۔ مثلاً عربی شاعر ابوطیب احمد بن حسین جعفی معروف بہ متنبّی (متوفی ۳۵۴ھ) نے اپنے ایک قصیدہ کی تشبیب میں ممدوح کو ایک ایسے نورانی پیکر میں ڈھالا ہے جہاں ظلمتوں کا گذر نہیں ہوتا۔

أَمِنَ ازْدِيَارَكِ فِي الدُّجَى الرُّقَبَاءُ　　إِذْ حَيْثُ كُنْتِ مِنَ الظَّلَامِ ضِيَاءُ (۳)

ترجمہ۔ شب تاریک میں اب رقیب میری ملاقات کے بارے میں مامون ہو گئے کہ میں تجھ سے نہیں مل سکتا۔ کیونکہ تو تاریکیوں میں جہاں کہیں ہوتا ہے روشنی ہی روشنی ہوتی ہے

پھر ایک دوسرے قصیدہ میں جو سیف الدولہ کی بہن کے انتقال پر مرثیہ کہا ہے ایک بڑی دلکش پیکر تراشی کی ہے۔ جس کا شعر یہ ہے۔

حَتّٰی اِذَا لَمْ یَدَعْ لِیْ صِدْقُہٗ اَمَلاً شَرِقْتُ بِالدَّمْعِ حَتّٰی کَادَ یَشْرَقُنِیْ (۴)

ترجمہ۔ یہاں تک کہ جب اس متوفیہ کی موت کی سچی خبر نے میرے لئے کوئی امید نہیں چھوڑی تو کثرت اشک کے باعث مجھے اُچھو ہو گیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ میری وجہ سے آنسوؤں کو اُچھو لگنے لگے۔

اس شعر میں حسّی پیکر تراشا گیا ہے۔ آنسوؤں کو اُچھو لگنا ایک علامتی پیکر بنایا گیا اور اس کی تجسیم کے بعد پھر اس کی لمسی پیکریت اجاگر ہوئی۔

اسی طرح فارسی شاعری میں بھی پیکریت کا تصور بہت پہلے سے موجود ملتا ہے۔ اور ان تصورات کی چاندنی ہر جگہ سجی سجائی نظر آتی ہے۔ فارسی کا قدیم صاحبِ دیوان شاعر ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن حکیم بن عبدالرحمان بن آدم معروف بہ رودکی (متوفی ۳۲۹ھ سامانی دور کے حکمران اپنے ممدوح نصر بن احمد سامانی کی مدح میں ایک قصیدہ کے اندر کہتا ہے۔

۱۔ ریگ آموی و درشتی راہ او — زیر پایم پرنیاں آید ہمی

۲۔ میر ماہست و بخارا آسماں — ماہ سوی آسماں آید ہمی

۳۔ میر سروست و بخارا بوستاں — سرو سوئے بوستاں آید ہمی (۵)

ترجمہ۔ ۱۔ دریائے آموی کی سخت ریت میرے پیروں میں پرنیاں بنکر آرہی ہے، ۲۔ میر چاند ہے اور بخارا آسمان، چاند آسمان کی طرف آرہا ہے، ۳۔ میر سرو ہے اور بخارا باغیچہ سرو باغیچہ کی طرف آرہا ہے۔ ان تمام اشعار میں ریت کا پرنیان سے، شخص کا ماہ و سرو سے استعارہ پیکریت کا گل کھلا رہا ہے۔ اور اس میں پیکر تراشی کے نوری اور حسی تماثیل تراشے گئے ہیں۔

نعت کے ساتھ جملہ اصناف سخن میں پیکر تراشی کا تصور تقریباً ہر دور میں

پایا جاتا رہا ہے۔ اس طرح کی شاعری میں پیکریت کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے کیونکہ فکر کے دائرۂ عمل کی کوئی حد متعین نہیں ہوتی، اس لئے حسی، مادی اور دیگر طرح کے پیکر تراشنے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی مثلاً غالب کے ان اشعار کو دیکھئے :

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا
آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا

مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلود یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

ان اشعار میں رگ سنگ سے لہو کا ٹپکنا، غم کا شرارہ ہونا، آتش خاموش کے مانند جلنا، فرقت میں گلستاں پر آتش کا برسنا سے آتشیں پیکر تراشے گئے ہیں اور استعاروں سے پیکریت کا کام لیا گیا ہے۔

اسی طرح مومن کی شاعری میں پیکریت کا جو کبھی کبھی دکھائی پڑتی ہے وہ بھی اسی وسیع دائرۂ فکر کی ایک تابندہ تصویر ہے۔ ان اشعار کو دیکھئے۔:

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

نامہ روئے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ
کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ

ان دونوں شعروں میں استعارہ کے زور جادو سے لطیف پیکر تراشے گئے ہیں۔ کیوں کہ پہلے شعر میں مغنیہ کا ناہید فلک سے استعارہ کیا گیا ہے جس میں ہر تان ایک شعلہ کی مانند لپکتی ہے اور دوسرے شعر میں آنسو کا گہر سے اور کاغذ کا دریا سے، اس طرح پیکر تراشی کے مفہوم کو ایک وسیع وعریض میدان فراہم ہو رہا ہے ___ مگر ___ نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی محدود ہوتی ہے۔ کیوں کہ استعارہ سے حاصل شدہ مفاہیم میں اگر ذرا سی کمی ہوئی یا کچھ

زیادتی ہوئی تو تنقیص وغلو کی وجہ سے بہر نوع ایمان کے جانے کا خطرہ برقرار رہتا ہے۔ ہاں، اتنی بات ضرور ہے کہ پیکریت کی ہر نوع کو بقرینۂ ادب صنف نعت میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ خواہ حسّی ہو یا مجرد یا مادّی مگر نعتیہ شاعری میں پیکریت کی جملہ ساماں طرازیاں اس وقت دو بالا ہو جاتی ہیں جب پیکر تراشی میں بے مثلیت کا تصور ابھر کر نظروں میں آتا ہے۔ اس لئے کہ نعت کے علاوہ جتنی بھی اصناف سخن ہیں ان کی شاعرانہ تکنک میں محبوب کیلئے تشبیہات استعارات میں ہر مشبّہ بہ اور مستعار منہ کا استعمال جائز ہے لیکن نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کیلئے بے مثلیت درکار ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ممتنع النظیر ذات کیلئے لفظوں کا توازن غیر معتدل اور سقیم نہیں ہونا چاہئے۔ جیسی بے مثل ذات ہو اسی طرح متوازن، وقیع، پاکیزہ اور خوبصورت الفاظ کا ذخیرہ فراہم کیا جائے۔

میں پیکر تراشی پر روشنی ڈالنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ناگزیر سمجھ رہا ہوں کہ پہلے شاعر کا مستوی مقرر کیا جائے پھر اس تناظر میں اس کے کلام کا جائزہ لیا جائے چوں کہ سخن کی جملہ اصناف کیلئے معیار شاعری کیا ہوتا ہے یہ قریب قریب واضح ہے۔ جیسا کہ نظامی عروضی سمرقندی کا خیال ہے۔

"اما شاعر باید کہ سلیم الفطرۃ عظیم الفکرۃ صحیح الطبع جید الرّویہ دقیق النظر باشد۔ در انواع علوم متنوع باشد و در اطراف رسوم متطرف زیرا کہ چنانکہ شعر در ہر علمی بکار ہمی شود و ہر علمی در شعر بکار ہمی شود۔" (۶)

"لیکن شاعر کو چاہئے کہ سلیم الفطرۃ، بلند فکر، صحیح طبیعت، عمدہ خیال اور دقیق نظر ہو۔ اقسام علوم میں متنوع اور رسموں کے پرونے میں فائدہ گیر ہو۔ کیونکہ جس طرح شعر کا تمام علوم میں کلام پڑتا ہے اسیطرح شعر میں تمام علوم کی ضرورت

ہوتی ہے ۔"

نعتیہ شاعری کیلئے خط کشیدہ عبارت "در انواع علوم متنوع و در اطراف رسوم مستطرف" سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں اگر علمی تنوعات کا فقدان ہوگا تو لامحالہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر لگے گی اور شعر کا قالب بجائے مدح کے ذم کا لباس پہن لے گا۔ اس لئے خصوصاً علم قرآن، علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ، علم کلام، علم منطق و فلسفہ وغیرہ پر ید طولیٰ ہونا ضروری ہے۔ اگر شاعر ان سے معتدبہ حصہ نہیں رکھے گا تو اشعار میں تازگی و شگفتگی، لذت سوختگی اور محبت و اطاعت کے جذبات کا انگیز کما حقہ نہیں ہو سکے گا بلکہ اشعار لفظوں کی مربوط شکل تو ہوں گے مگر شعریت سے عاری۔

پیکر تراشی پر بحث۔ قدیم شاعری میں جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ پیکر تراشی کے نمونے ضرور ملتے ہیں۔ تشبیہات و استعارات کے روپ میں ان کی جلوہ گری نظر آتی ہے مگر جدید شاعری میں یہ اصطلاح انگریزی ادب کے لفظ امیجری (IMAGERY) سے لی گئی ہے جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے کہ:

"انگریزی تنقید کے اثر سے اردو میں IMAGE (امیج) کا تصور اب غیر معروف نہیں رہا۔ اس کا ترجمہ اردو والوں نے پیکر، نقش، تمثال یا شبیہ کیا ہے۔ لیکن پیکر ہی کا چلن اب زیادہ ہو گیا ہے۔" (۷)

مگر ..... عبدالنعیم عزیزی کا خیال ہے کہ:

"اردو شاعری میں پیکر کی اصطلاح انگریزی ادب سے لی گئی ہے۔ جدید اردو شعراء کے یہاں پیکر تراشی کا رجحان زیادہ ہے۔ اور جدید شاعری کی پیکریت میں تصویری حسن، خیال کی ندرت،

اور تلازموں کی فضا سے معنویت بڑھی ہے۔ اور اس نئی شاعری کے پیکر اپنے دور کے تہذیبی اور معاشرتی حالات کا نتیجہ ہیں،، (۸)

پیکر تراشی کی اب تک کوئی جامع تعریف نہیں کی گئی ہے جس سے اس کا کلیتہً احاطہ کیا جا سکتا البتہ ارباب نقد نے کچھ اسطرح اظہار خیال فرمایا ہے۔ خورشید احمد صدیقی رقمطراز ہیں:

،، اب تک پیکر کی کوئی ایسی تعریف نہیں پیش کی جا سکی جسے سب مانتے ہوں۔ مثال کے طور پر اکلٹن تجریدی الفاظ (مثلاً سچائی وغیرہ) میں بھی پیکر کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں۔ جبکہ شریر اسے تشبیہ اور استعارے تک ہی محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسی تشبیہوں کو جو ہمارے حواس خمسہ کو متاثر نہیں کرتیں (مثلاً اثنا پیاسا تھا میں اس دن جتنا چاہ کا مارا ہوا) پیکر کے زمرے سے خارج سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک پیکر کی آسان تعریف۔ جذبہ انگیز حسیاتی لفظی تصویر ہے،، (۹)

عبدالنعیم عزیزی نے پیکر کی تعریف سے متعلق مندرجہ ذیل ناقدین کی آرا جمع کی ہیں

۱۔ ،، مس ڈانی (MISS DAWNEY) کا خیال ہے کہ پیکر کو محض مادی یا مادی تصویر کی حیثیت سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ جس میں ایک قسم کی حسی خصوصیت ہوتی ہے۔

۲۔ مس اِس پرجیون (MISS SPURGEAN) پیکر کی اصطلاح تشبیہ، استعارہ اور ان کے تمام مرکبات یا ان جیسی چیزوں کیلئے استعمال کرتی ہیں۔

۳۔ سی۔ ڈے۔ لیوس (C. DAY LEWES) کا خیال ہے کہ

پیکر لفظوں سے بنائی گئی تصویر ہے۔ اور اس خصوصیت کی وجہ سے فوگل (FOGEL) پیکر کو شاعری کے حسی عناصر قرار دیتا ہے۔ (۱۰) مگر پروفیسر عنوان چشتی نے پیکر کے تعلق سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ یوں ہیں :-

"پیکر تراشی کا عمل شاعر کے تخلیقی عمل سے وابستہ ہے۔ وہ مادی اشیاء حقائق اور احوال کو اپنے تخلیقی سفر کا نقطۂ آغاز بناتا ہے۔ اور ادراک کو جذبے، اور جذبے کو تخیل سے ہمکنار کرتا ہے۔ تخیل ادراک اور جذبے کے کیف مرکب میں رنگ بھرتی ہے اور اس کو نئی معنویت عطا کرتی ہے۔ شاعر کی تخلیقی قوت اس کو ذہنی پیکروں اور علامتوں میں تبدیل کرتی ہے۔ اس عمل میں شعور اور لاشعور ایک دوسرے سے اشتراک کرتے ہیں۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ تخلیقی عمل کے دوران شاعر کا سفر خارج سے باطن کی طرف اور پھر باطن سے خارج کی طرف ہوتا ہے۔ پہلی منزل میں شاعر ادراک، تاثیر اور کیفیات کو تجرید عطا کرتا ہے۔ اور پھر ذہنی پیکروں کو لسانی پیکریت میں تبدیل کر کے اس تجرید کی تجسیم کرتا ہے۔ اس لئے ذہنی پیکروں اور لسانی پیکروں میں نامیاتی تعلق ہے۔ لسانی پیکر ذہنی پیکر کا خارجی روپ ہوتا ہے۔" (۱۱)

ان خط کشیدہ تحریروں میں پیکر تراشی کے جن خدوخال کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس سے پیکریت کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ خارج سے باطن کی طرف سفر کے دوران شاعر کی فکر تجریدی مراحل کو عبور کرتی ہے جس میں مادیات کو تجریدی

قالب میں ڈھال کر اس میں فنون شعر کی سحر طرازیاں کی جاتی ہیں۔ پھر یہی عمل جب تجرید سے مادیات کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس میں جاذبیت، حسن جمالیاتی عناصر اور مشمومات جیسے پیشما پیکر ابھرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی پیکر تراشی پر نظر ڈالتے ہوئے اس کی تعبیر ان مختصر لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

"شاعر کے فنی پہلو میں پیکر تراشی بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا ہیولیٰ شاعر کے ذاتی اور اجتماعی تجربات کے ہاتھوں تیار ہوتا ہے" (۱۲)

گویا ڈاکٹر عبادت بریلوی کے نزدیک پیکر تراشی کے لئے ذاتی اور اجتماعی تجربات کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ موصوف پیکر تراشی کو ذاتی آہنگ تک مقید رکھنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس کے داخلی اور خارجی احساسات وسیع تر ہوں تاہم رنگ و جمال کے تار و پود یا تصورات کے محسوس ہیولیٰ جات اس وقت تک وجود پذیر نہیں ہو سکتے جبتک شاعر کا ذاتی تجربہ اس میں ماہیت بن کر شامل نہ ہو

مذکورہ بالا بیانات میں پیکر کی جو آئینہ بندی کی گئی ہے ان میں حس کو محور قرار دیا گیا ہے۔ مگر تمثال یا پیکر کا صرف حسی ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ ذہنی بھی ہو سکتا ہے۔ ابن فرید کا خیال ہے کہ:

"تمثال کے بارے میں ایلیٹ (EL/OT) اور ایزرا پاونڈ (EZRA POUND) وغیرہ نے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ صرف حسی نہیں ذہنی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن نہ صرف یہ لوگ بلکہ ٹوئی (TUVE) اور کرمو ڈ (KERMODE) بھی جب تفصیل میں جاتے ہیں تو ان کی ذہنی تمثالیں حسی تمثال تک ہی محدود

ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لئے تمثال کو حواس خمسہ سے غیر متعلق کرنا اُسے اس کے فطری حسن سے محروم کر دینا ہے اور یہ کسی طرح ممکن بھی نہیں ہوتا،، (۱۳)

ان تمام بحثوں کا مدار پیکریت کے اس خدوخال کو اجاگر کرتا ہے جس کا محور حس ہے اگرچہ اس میں ذہنی احساسات اور ذاتی و خارجی ادراکات و تجربات کو داخل کر لیا گیا ہے مگر تعریف کی فصل ممیز اس کو نہیں بنایا جا سکتا۔ بلکہ پیکریت کا مفہوم اخذ کرنے کیلئے فن کی اصطلاحات کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے جن کو تعریف کی جنس قریب کہا جا سکتا ہے مثلاً استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت، اسم، فعل و صفت وغیرہ جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے:

،، پیکر کی تخلیق استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت اسم و فعل صفت وغیرہ سے ہوتی ہے۔ ان میں استعارات و تشبیہات، کنایات اور افعال پیکر سازی کے بہترین وسائل ہیں،، (۱۴)

پیکریت کی تقسیم ۔ پیکر کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ (۱) بسیط پیکر (۲) مخلوط پیکر

بسیط پیکر ۔ کسی حقیقت کو تخیل کے ذریعہ بے پناہ وسعت مل جائے اس سے جو پیکر ابھرے گا وہ بسیط پیکر ہو گا۔ یا۔ کسی ماہیت کو قوت متخیلہ کے ذریعہ منفرد حس کا لباس پہنایا جائے۔

مخلوط پیکر ۔ جب کئی پیکر ایسے ہوں جو مختلف حواس سے متعلق ہوں اور سب مل کر ایک پیکر کھڑا کریں تو وہ مخلوط پیکر ہو گا۔

پھر بسیط پیکر کی حواس خمسہ کے اعتبار سے پانچ قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) **بصری پیکر** ۔ جس کا تعلق قوتِ باصرہ سے ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ حالات و واقعات، رنگ و حرکت سے پیکر بنائے۔

(۲) لمسی پیکر۔ جو قوت لامسہ پر موقوف ہو کہ کسی شئ کے چھونے یا سردی و گرمی سے قوت خیالیہ اس کو اخذ کرے۔

(۳) مذوقی پیکر۔ جو قوت ذائقہ کو متاثر کریں کہ قوت خیالیہ چکھنے سے اس کو حاصل کرے۔

(۴) مشامی پیکر۔ جو قوت شامہ سے متعلق ہو کہ کسی خوشبو یا اس کے لوازمات سے قوت متخیلہ مشام کو متاثر کرے۔

(۵) سماعی پیکر۔ جس کا تعلق قوت سامعہ سے ہے یعنی کسی صوتی حسن و آہنگ یا حالات و واقعات سے قوت سامعہ متاثر ہو۔

اس مذکورہ تمہید کے بعد اب میں آپ کی توجہ حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شاعری میں پیکر تراشی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مگر شعری نقد سے پہلے شاعر کی ذاتی زندگی کا جاننا ناگزیر ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس کی شاعری پر بحث کی جارہی ہے اس کی زندگی کا معیار کیا تھا؛

حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ؛ جب بھی کسی شخص کی شاعری اور اس کی فکری کاوش کا جائزہ لینا ہو تو یہ امر ضروری ہوتا ہے کہ اس کے گرد و پیش پائے جانے والے اس ماحول کو دیکھا جائے جس میں اس کی جولانئ طبع افکار کی موتی لٹا رہی ہے۔ کیونکہ ماحول کا شعر پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ شاعر جب اپنے گرد و پیش سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے کلام میں سوز و شگفتگی دونوں ایک ساتھ جنم لیتی ہیں۔ اس تناظر میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے تاریخی پس منظر کا خاکہ سجانا بھی از بسکہ ضروری ہے۔

حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ نے ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ / ۷ جولائی ۱۸۹۳ء کو بروز جمعہ اس خاکدان گیتی میں آنکھ کھولی۔ (۱۵) ۱۳۳۸ھ میں تعلیم مکمل فرمائی۔ (۱۶)

یہ وہ دور تھا جس میں ہندوستان کے اندر اسلامی قدروں کا استحصال ہو رہا تھا ایک طرف انگریزی سامراج تھا اور دوسری طرف ہندو تواکا سازشی جال بچھایا جا رہا تھا۔ پھر ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۲ر نومبر ۱۹۸۱ء کو آپ نے رحلت فرمائی۔

(۱۷) اس ۹۲ر سال یا ۸۸ ربرس کا جو ماحول ہندوستان کی تاریخ میں گذرا وہ کوئی ایسا نہ تھا جس میں گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر ضرب کلیمی کا شغف رکھا گیا ہوتا۔ بلکہ ہر محاذ پر سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا جا رہا تھا۔ پورے ہندوستان میں زہریلی ہوائیں چل رہی تھیں اور ہر طرف ماتم پُرشور کا عالم تھا، قتل وغارت گری، شعائر اسلام کی پامالی، شدھی تحریک کا زور، بساط سیاست پر کانگریسی ملاؤں کی ترک تازیاں مسلمانوں کا احساس محرومی کیا کچھ نہ تھا۔ ایسے ماحول میں حضرت نوری علیہ الرحمہ کی ذمہ داریاں یک گوناں نہیں بلکہ گونا گوں تھیں، ادارہ کا اہتمام، فتویٰ نویسی، رشد وہدایت، مناظرہ ومباحثہ، سیاست سے پنجہ آزمائی، شدھی تحریک کا انسداد، مسلمانوں کی دل جوئی، شعائر اسلامی کا تحفظ اور ناموس رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کیا نہ تھا سب کچھ کرنا تھا۔ دل میں شعائر اسلامی کے مٹائے جانے پر لاوا پکتا رہتا۔ گویا زندگی کا لمحہ لمحہ شدید ترین مصروفیت کی نذر ہو گیا تھا۔ بقول مولانا سید شاہد علی رضوی:

> "حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ رضوی دارالافتا کے اہتمام اور کار فتویٰ کی زیادتی کے سبب صرف مخصوص طلبہ کو پڑھاتے تھے۔" (۱۸)

پھر کچھ دور آگے چل کر رقمطراز ہیں:

> "امام احمد رضا قدس سرہٗ کے وصال کے بعد رضوی دارالافتا میں آنے والے ہزار ہا مسائل کے لکھنے والے صرف دو تھے ایک

حضرت مفتی اعظم دوسرے حضرت صدر الشریعہ۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے۔ خود زبردست مفتی تھے مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرما دیتے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتوی تحریر فرماتے۔ اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم رضوی دار الافتاء میں آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے،، (۱۹)

ان تمام مصروفیات کے باوجود شعری نازک خیالیاں، مشق سخن کی جولانیت کو بھلا کب راہ ملتی۔ مگر سوز عشق کی جلوہ سامانیاں قلب عاشق پر ابھرنے والے زرّیں نقوش کو صفحۂ قرطاس پر اتارتی رہتیں اور یوں ہزار مصروفیت کے رہتے ہوئے بھی مشق سخن جاری رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوری کی شاعری میں خارجی اثرات کے جذباتی احساسات سوز دروں بن کر داخل کو مزید رنگ آمیز کر رہتے تھے۔ بات صرف سخن سنجی کی نہ تھی بلکہ اسلام کے تحفظ اور ناموس رسالت کی عصمت کی تھی۔ پھر کیا تھا اشعار کے قالب میں دود عشق کی گرمی اُتر آئی۔

نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی

جس طرح پیکر تراشی اصناف سخن کے لحاظ سے قدیم ہے اسی طرح نعت میں اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اگرچہ قدیم شاعری بیشتر سادہ، سپاٹ اور طبیعی ہوتی تھی مگر کہیں کہیں پیکریت کی ایسی تابناک مثالیں ملتی ہیں جس سے وجدان میں سرور پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے محبوب ترین شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۴ھ/۶۷۴ء) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں رطب اللسان ہیں شعر دیکھئے:

فَامْسٰی سِرَاجًا مُّسْتَنِیْرًا وَّھَادِیًا   یَلُوْحُ کَمَا لَاحَ الصَّقِیْلُ الْمُھَنَّدُ (۲۰)

ترجمہ ۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روشن چراغ ہیں اور ہدایت فرمانے والے۔ اس طرح چمک رہے ہیں جیسے صیقل کی ہوئی ہندوستانی تلوار ،،

اس میں دو طرح کے پیکر آتشیں اور نوری تراشے گئے ہیں۔ روشن چراغ ہونا، صیقل شدہ تلوار کی طرح چمکنا پیکر تراشی کی جاذب اور دل کش مثالیں ہیں۔

خواجہ الطاف حسین حالی کا خیال ہے کہ بعض وہ الفاظ جو نعتیہ شاعری کیلئے غیر مناسب تھے جب قدیم شعراء نے ان کو اس پاکیزہ سرزمین پر اتارا تو اس کے حقیقی معنی کے غیر منطبق ہونے کی وجہ سے مجازی معنی میں ڈھال دیا گیا یا پھر اس سے دوسرے معنی کا استعارہ کیا گیا۔ ان کی اپنی زبان ہیں:۔

،، اگلوں نے عشقِ الٰہی یا محبّت روحانی کو جو ایک انسان کو
دوسرے انسان کے ساتھ ہو سکتی ہے مجازاً شراب کے نشہ سے
تعبیر کیا تھا اور اس مناسبت سے جام و صراحی، خم و پیمانہ اور
ساقی و مئے فروش وغیرہ کے الفاظ بطور استعارہ استعمال کئے تھے،، (۲۱)

گویا نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کیلئے انھیں عناصر کو بروے کار لایا گیا جو شاعری کی دیگر صنفوں میں پائے جاتے تھے۔ فرق یہ کیا گیا کہ ان کو مفہوم کی طہارت و نظافت عطا کی گئی جس سے ان کا قالب عطر بیز و گوہر ریز ہو گیا۔

نعتیہ شاعری میں پیکریت کے جو تصورات ابھرتے ہیں وہ دیگر اصناف سخن سے ذرا الگ تھلگ ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہاں فقط زبان کے چٹخارے، لفظوں کی بندش، صوتی آہنگ، تشبیہات کی ندرت، استعاروں کی چاشنی اور بحروں کی موزونیت نیز افاعیل کی موسیقی ہی کافی نہیں بلکہ تقاضائے ادب

سب سے ضروری اور اوّلین مرحلہ ہوتا ہے۔ اس لئے شاعر کا علمی مطالعہ، فکر کی گیرائی و گہرائی، عشق رسول کی تڑپ جس قدر زیادہ ہوگی شعر کا معیار اور اس کے داخلی اثرات اسی قدر زیادہ ہوں گے۔ یہاں مبالغہ کی وہ جملہ اقسام قلمزد کردی جاتی ہیں جن کا خارجی مصداق یا خود شاعر کا داخلی مصداق غیر منطبق ہوگا۔ پہلی صورت یعنی خارجی مصداق میں اگر شاعر نے اغراق و غلو سے کام لیا تو دامنِ عصمت پر دھول پڑنے کا خطرہ ہے اور دوسری صورت یعنی داخلی مصداق میں اگر شاعر نے بارگاہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایسی کوئی واردات قلبی پیش کی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو تو وہ کذب محض ہوگا جس سے شاعر کی ذات غیر معتبر اور مخطی ہو جائے گی۔ جبکہ یہ دونوں باتیں اس بارگاہ میں ناروا ہیں۔

نعتیہ شاعری کے زیر و بم میں قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور تصوف کی وہ چاشنی پنہاں ہوتی ہے جس سے کلام دو آتشہ بنتا ہے۔ اگر صرف لفظوں کے گل بوٹے سجانے کی بات ہوتی اور مفہوم کی داخلی صیانت ملحوظ نہ رکھی جاتی تو حضرت حسانؓ، جامیؒ و سعدیؒ اور رضاؒ و حسنؒ علیہم الرحمۃ کے کلام کو کسی بھی عام شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا تھا۔ بقول شخصے:

> ”جو شعر برائے شعر کہتے ہیں، جو اپنے آرائشی طرز بیان سے اپنے ممدوح کو سنوارتے ہیں جو شعر کی موزونیت سے زیادہ اس کی ادبیت اور عروض و قوافی کے حسن پر نظر رکھنے کے عادی ہیں، جن کی شاعری کوئی عبادت نہیں بلکہ ادب کا شاہکار اور ذریعۂ شہرت ہے وہ فن شعر گوئی کے مسلم الثبوت استاد ہوتے ہوئے

بھی نعت گوئی کی دنیا میں قدم رکھتے ہوئے لرزتے ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں لینا چاہتا مگر ہر شاعر کے پاس اس کی شاعری کا اعمال نامہ موجود ہے اگر وہ خود تلاش کریں تو اپنے پاس نعت کا سرمایہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں رئیس المتغزلین کو رئیس المتغزلین ہی مانتا ہوں، میں استاذ الشعراء کو استاذ الشعراء ہی جانتا ہوں میں اردو ادب کے شاہکار والوں کو شاہکار والا ہی سمجھتا ہوں۔ مگر کیا یہ غلط ہے؟ کہ جس ایوان میں محسن بریلوی عزت و وقار کے ساتھ باریاب ہیں وہاں ان کے استاذ محترم اور شعر گوئی کے مسلّم و مشہور استاد حضرت داغ دروازہ کے باہر کھڑے ہیں۔ امیر صاحب جہاں مسند لگائے ہیں ان کے استاد وہاں دور کھڑے ہیں۔ محسن کاکوروی جہاں ممبر پر بیٹھے ہیں ان کے استاد معظم اشک وغیرہ نمونۂ رشک نظر آتے ہیں،، (۲۲)

نعتیہ شاعری میں شعر کی اہمیت کے باوجود منصب ذات رسالت کا احترام ماہیت کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی لئے اس میں طبع آزمائی تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔ اس میں تائید خداوندی کے ساتھ ہمت پرواز کا جذبہ مستانہ بھی ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر ابواللیث کا خیال ہے کہ:

،، نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔ پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا سازگار بھی ملے گی یا نہیں؟ اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہونچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہئے کہ وہ اور کامیابی سے

وہاں سے گذر جائے،، (۲۳)

جب ہم اس تناظر میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ کی شاعری نہ صرف مفہوم کے تعمق کی متحمل ہے بلکہ شکوہ الفاظ، ترکیبوں کی چستی، تشبیہ واستعارات کا طمطراق اور غرابت معنیٰ کا ایک بحر ذخار موجزن ملتا ہے۔

سید اسماعیل رضا ذبیح ترمذی نے نعتیہ شاعری کے انھیں اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

،، اہل فن لکھتے ہیں کہ اگر کسی شاعر نعت گو و نعت نگار کا قلم معنی آفرینی کے ساتھ شکوہ الفاظ، بیساختگی اور بندشوں کی چستی سے عہدہ برآ ہو جائے تو واقعی یہ اس کا کمال شاعی ہے،، (۲۴)

کلام نوری میں پیکر تراشی

اب آیئے حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری میں پیکر تراشی کا جائزہ لیا جائے۔ اور پیکر تراشی کے حسین امتزاج کی منھ بولتی تصویر کا مشاہدہ کیا جائے:

بصری پیکر بصری پیکر جس میں محاکات کو عمل میں لایا گیا ہے حسب ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دنیا ہے اور اپنا مطلب بے غرض مطلب کوئی
آشنا ملتا نہیں نا آشنا ملتا نہیں

ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت
یاد بھی اب تو نہیں رنج والم کی صورت

بھیک اپنے مرہم دیدار کی کر دو عطا
چاہیے کچھ منھ بھی کرنا زخم دامن دار کا

ہیں صفات حق کے نوری آئینے سارے نبی
ذات حق کا آئینہ مہر عجم ماہ عرب

ذرہ ذرہ سے عیاں ہے ایسا ظاہر ہو کے بھی
قطرے قطرے میں نہاں ہے برملا ملتا نہیں

دل گیا اچھا ہوا اسکا نہیں غم۔ غم ہے یہ
لے گیا پہلو سے جو وہ دلربا ملتا نہیں

کھلے ہیں دیدۂ عشاق قبر میں یوں ہی
ہے انتظار کسی کا ضرور آنکھوں میں

نہ ایک دل کہ مہ و مہر انجم و نرگس
ہے سب کی آرزو رکھیں حضور آنکھوں میں

نظر نہ آیا قرار دل حزیں اب تک
نگاہ رہتی ہے یوں بیقرار آنکھوں میں

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے
کب کسی سے نگاہیں بچا کر چلے

مذکورہ بالا اشعار میں ـــــ دنیا کی غرض برآری میں آشنا و ناآشنا کا نہ ملنا، محبوب کو دیکھ کر غم اور رنج والم کی صورت کا بھول جانا، مرہم دیدار کی بھیک سے زخم دامن دار کا منھ کرنا، انبیاء کا صفات حق کا نوری آئینہ ہونا اور مہر عجم ماہ عرب کا ذات حق کا آئینہ ہونا، ذرہ ذرہ سے عیاں ہو کر بھی برملا نہ ملنا، دل چلا جانا پھر دلربا کا نہ ملنا، قبر میں دیدہ عشاق کا کسی کے انتظار میں کھلنا، مہر و انجم و نرگس کا حضور کی آنکھوں میں رکھے جانے کی آرزو کرنا، نگاہوں کا آنکھوں میں بیقرار رہنا، آنکھیں بچا کر و چرا کر چلنا۔ یہ سب وہ بصری پیکر ہیں جن کو حضرت نوری بریلوی نے اپنے داخلی جذبات سے متکیف ہو کر تراشا ہے۔ کیونکہ نعت میں عشق رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلی محرکات ہی سے تجربات و مشاہدات کو جلا ملتی ہے اور پیکریت کے محاسن جنم لیتے ہیں۔ رنج والم کی صورت کا حسّی و بصری پیکر، زخم دامن دار کا مرہم دیدار کیلئے منھ کرنا، مہر و ماہ کا ذات حق کا آئینہ ہونا، دیدہ عشاق کا انتظار میں کھلا رہنا نگاہ کا آنکھوں میں بیقرار رہنا یہ سارے کے سارے بصری پیکر کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں جہاں بصری پیکر اپنی پوری عشوہ طرازیوں کے ساتھ موجود ہے۔

لمسی پیکر

فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے
جس کو قسمت سے ملے بوسہ تیری پیزار کا

چاک تقدیر کو کیا سوزنِ تدبیر سیئے
لاکھ وہ بخیہ کرے چاک گریباں ہوگا

کاسہ لیسی سے ترے دربار کی مہتاب بھی
کیسا منور ہوگیا ماہ عجم مہر عرب

یوں بھیک لیتا ہے دو وقتہ آسماں انوار کی
صبح و مسا ہے جبہ سا ماہ عجم مہر عرب

اس جبہ سائی کے سبب شب کو ای سرکار نے
انعام میں ٹیکہ دیا ماہ عجم مہر عرب

موم ہے ان کے قدم کیلئے دل پتھر کا
سنگ نے دل میں رکھی ان کے قدم کی صورت

ہے رگِ گردن سے اقرب نفس کے اندر ہے وہ
یوں گلے سے مل کے بھی ہے وہ جدا ملتا نہیں

یہ آج کاہے کی شادی ہے عرش کیوں جھوما
لب زمیں کو لب آسماں نے کیوں چوما

ذرا سا بھی نہیں سایہ کہیں پر
عرق اتنا بہا دریا بہا ہے

جان کونین کے پیزار کے بوسہ پر چومنے والے کا منہ دیکھ کر مہر و مہ کا چہرہ فق ہونا، چاک تقدیر کو سوزن تدبیر سے سینا پھر چاک گریباں ہونا، دراقدس کی کاسہ لیسی سے مہتاب کا منور ہونا، آستاں پر جبہ سائی، آسمان کا صبح و مسا انوار کی بھیک لینا، آسماں کو دراقدس سے چاند کا ٹیکہ دیا جانا، پتھر کا ان کے قدم کی صورت کو دل میں رکھنا، رگِ گردن سے قریب اور نفس میں رہ کر گلے سے ملنا، شادی میں لب آسمان کا زمین کے لب کو چومنا، عرق کا دریا بن کر بہنا ان اشعار میں لمسی پیکریت کو قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ ان میں کا ہر شعر کسی لمسی کیفیت کا حسی تصور پیش کرتا ہے جہاں شاعر تشبیہ و استعارہ اور کنایہ سے لمسی پیکر تراش رہا ہے۔ ان کلمات پر غور کیجئے، بوسہ لینا، سینا، کاسہ لیسی، جبہ سائی، ٹیکہ دینا، دل میں صورت رکھنا، گلے سے ملنا، لب چومنا لمس کی جملہ لذاتی کیفیت

کو اجاگر کرتے ہیں جس سے نعت کا بانکپن دوبالا ہو رہا ہے۔

مذوقی پیکر

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہو گئے
منھ ابھی تر ہو بھی نہ پایا تھا ہر خار کا

نہ کیسے یہ گل و غنچہ ہوں خوار آنکھوں میں
بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

جو ساقیٔ کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے
ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے
راہ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

دل دشمن کیلئے تیغ دو پیکر ہے سخن
چشم حاسد کو مرا شعر نمکداں ہو گا

بھیک اپنے مرہم دیدار کی کر دو عطا
چاہئے کچھ منھ بھی ہونا زخم دامن دار کا

بجھے گی شربت دیدار ہی سے تشنگی اپنی
تمھاری دید کا پیاسا ہوں یوں پیاسا ہوں کوثر کا

آبلوں کے کٹوروں کا خالی ہونا، خار کا منھ تر نہ ہو پانا، مدینہ کے خار کا آنکھوں میں بسنا، دل کا میخانہ اور آنکھوں کا پیمانہ بننا، پاؤں میں آبلے پڑنے پر راہ طیبہ میں سر کے بل چلنا، چشم حاسد کیلئے شعر کا نمکداں ہونا، زخم دامن دار کا منھ کرنا، شربت دیدار سے تشنگی بجھانا، ان جملہ اشعار میں مذوقی پیکر کے وہ تمام احساسات موجود ہیں جو ذائقہ کی حس سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ شاعر کا فنی کمال ہے کہ ان میں جن علامتوں کو برتا گیا ہے ان سے وجدان میں ایک خاص لذت ذائقہ ابھرتی ہے۔ جو کہیں نمکدانی و شربت دیدار، کہیں دل کے میخانہ اور آنکھ کے پیمانہ بننے اور کہیں آبلوں کی کسک کے پیکر میں جلوہ گر ہیں۔ مگر ان اشعار میں نعت کا اسلوب اپنی پوری آہنگ کے ساتھ سبک خرام ہے۔ قدم قدم پر مذاق فن کی تہہ داری دلوں میں لذت ذائقہ پیدا کرتی ہے۔ جہاں نہ تو قوت ذائقہ کی تلخیاں ہیں اور نہ ہی سقم کی بے کیفی و بے لذتی۔

مشامی پیکر

کوچۂ دل کو بسا جاتی مہک سے تیری
کام اتنا بھی مجھے بادِ صبا نے نہ دیا

خاک طیبہ سے اگر کوئی نکھارے گیسو
سنبلِ خلد تو کیا حور بھی ہارے گیسو

عنبرستاں بنے محشر کا وہ میداں سارا
کھول دے ساقی اگر حوضِ کنارے گیسو

کیوں زلفِ معنبر سے کوچے نہ مہک اٹھیں
ہے پنجۂ قدرت جب زلفوں کا تری شانہ

جس گلی سے تو گذرتا ہے مرے جانِ جہاں
ذرہ ذرہ تری خوشبو سے بسا جاتا ہے

ان تمام اشعار میں مشامی پیکر کی جن تہوں کو عشق کی خوشبو سے عطر بیز کیا گیا ہے وہ نعت کا جوہر کہے جا سکتے ہیں۔ کوچۂ دل کا مہک سے بسنا، خاک طیبہ سے گیسو کا نکھارنا پھر اس پر سنبل اور حور کا اپنے گیسو کا ہارنا، حوض کے کنارے گیسو کھل جانے پر محشر کا عنبرستاں بن جانا، بادہ و ساقی، لب جو اور ابر میں ساقی کا گیسو کھولنا، زلف معنبر سے کوچوں کا مہک اٹھنا، پنجۂ قدرت کا زلف اقدس کو شانہ کرنا گلی سے گذرنے پر ذرہ ذرہ کا خوشبو سے بس جانا، مشامی پیکر کی جس تمثالی کیفیت کو واضح کرتے ہیں وہ قوت شامہ کیلئے پیکریت کی دل کش اور نادر مثالیں ہیں جن میں گہری معنویت کے ساتھ ایک مانوس فضا بھی پائی جاتی ہے جہاں مشامی پیکر کے علائم کلی طور پر موجود ہیں۔ یہاں عشق رسول کی وہ سوختگی جلوہ فرما ہے جو کسی عاشق مہجور کے ہر اعضائے بدن کو قوت شامہ عطا کرتی ہے۔

سماعی پیکر

انھیں کی نعت کے نغمے زبور سے سن لو
زبان قرآں پہ ان کے ترانے آئے ہیں

جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہل زباں
سن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے

نغمہ سنجانِ گلشن میں چرچا ترا چہچہے ذکرِ حق کے ہیں صبح و مسا
اپنی اپنی چہک اپنی صدا سب کا مطلب ہے، واحد کہ واحد ہے تو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

بلبل خوشنوا طوطی خوش گلو زمزمہ خواں ہیں گاتے ہیں نغمات ہُو
قمری خوش لقا بولی حق سرّہٗ فاختہ خوش نوا نے کہا دوست تو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

پڑھوں وہ مطلعِ نوری ثنائے مہرِ انور کا ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہرِ محشر کا

سماعی پیکر کے مذکورہ بالا اشعار میں نعت کے نغمے زبور سے سننا، زبانِ قرآن پر محبوب کے ترانے آنا، قرآن سن کر زبانیں دبا کر چلنا، ثنائے مہرِ انور کا مطلع نوری پڑھنا ذکرِ حق کے صبح و مسا چہچہے ہونا، نغمہ سنجانِ گلشن کا چرچا کرنا، بلبل خوشنوا اور طوطیٔ خوش گلو کا نغمات گانا، قمری اور فاختہ کا بولنا یہ سماعی پیکر کی مثالیں ہیں۔ جن میں استعارہ و کنایہ سے سماعی پیکر تراشے گئے ہیں۔ گویا اپنی معنویت کے لحاظ سے ان پیکروں میں سماعی حس کی اٹھان شباب پر ہے۔ اور پورا نظام سماع حسی ہیولانی سے ہمکنار نظر آتا ہے۔ یہ سماعی پیکر کی جاذب اور دلکش تصویریں ہیں۔

مخلوط پیکر

ان بسیط پیکروں کی بحث کے بعد مخلوط پیکر کی چند مثالیں ناگزیر ہیں۔ چوں کہ مقسم میں پیکر کی جس تقسیم سے بحث کی گئی ہے اس میں مخلوط پیکر کے خاکہ کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ مخلوط پیکر دراصل بسیط پیکروں کے مرکب سے بنتا ہے کر اس کی ترکیب کبھی دو دو کبھی تین تین اور کبھی کبھار کئی کئی بسیط پیکروں سے ہوتی ہے۔

اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھ مت دیکھ مجھے گرم نظر سے خاور
شوخیٔ چشم سے تو آپ پریشاں ہوگا

تم اگر چاہو تو اک چین جبیں سے اپنی
کر دو اعدا کو قلم شاخ قلم کی صورت

سر پہ بادل کالے کالے دو دعصیاں کے ہیں پھیلے
دم گھٹتا ہے میرے مولیٰ صلی اللہ علیک وسلم

شب کو شبنم کے مانند رویا کئے
صورت گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

نگاہ مہر جو اس مہر کی ادھر ہو جائے
گنہ کے داغ مٹیں دل مرا قمر ہو جائے

پہلے شعر میں بصری پیکر، آتشیں پیکر اور جمالیاتی پیکر کو اجاگر کیا گیا ہے۔ دوسرے شعر میں حسی پیکر، حرکی پیکر اور بصری پیکر کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے شعر میں لونی، آتشیں اور مذوقی پیکر ہے۔ چوتھے شعر میں سیال، جمالیاتی اور سماعی پیکر ہے۔ پانچویں شعر میں بصری، نوری، لمسی اور جمالیاتی پیکر ہیں۔

بے مثل پیکر نعتیہ شاعری میں پیکریت کا دائرۂ فکر کچھ اس قدر وسیع ہے جو دیگر اصناف سخن میں کم پایا جاتا ہے۔ مادی، بسیط، مخلوط اور آتشیں پیکر کی مثالیں تو بہت ساری اصناف سخن میں ملتی ہیں مگر بے مثل پیکریت یہ صرف نعت کا خاصہ ہے۔ کیونکہ علاقۂ تشبیہ یا استعارہ سے جب بھی کسی علامت یا تمثال کے تصورات ابھریں گے تو فوراً طرفین کے درمیان ایک نسبت قدر مشترک بن کر پیکریت کا خاکہ تیار کرے گی۔ مگر نعت میں ایک ایسی منزل بھی ہے جہاں مشبہ کیلئے مشبہ بہ کا کوئی فرد ہزار تتبع و تلاش کے باوجود بھی نہیں مل سکے گا اس وقت پیکریت ایک ممتنع النظیر تمثال کے سانچے میں ڈھلی ہوئی دکھائی دیتی ہے اس کی ایک تازہ مثال کلام الامام امام الکلام حضرت رضا بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء) کے کلام سے ملاحظہ فرمائیں جو پوری طرح بے مثل پیکریت پر مبنی ہے:

رُخ دن ہے یا مہر سایہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشک ختایہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رُخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں (۲۵)

ان محولہ بالا اشعار میں پیکریت کے تمثال و تصورات کی نفی کر دی گئی ہے جس سے بے مثل پیکر ابھرتا چلا جا رہا ہے۔ اب حضرت نوری بریلوی کے ان اشعار کو دیکھئے کہ بے مثل پیکریت کی رنگ آفرینی سے فن نعت کے کتنے گل بوٹے سجائے گئے ہیں۔

محال عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور
توہم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا
مثل ممکن ہی نہیں ہے ترا لاثانی
وہم نے بھی تو ترا مثل سمانے نہ دیا
آپ کا مثل شہا کیسے نظر میں آئے
کس نے دیکھی ہے بھلا اہل عدم کی صورت
دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں مہر و مہ پتہ ملتا نہیں
نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں
جچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں
جس کا ثانی نہ ہوا، اور نہ ہے اور نہ ہو
وہ عطا کر چلے وہ سجا کر چلے
نہ ہے تم سا نہ کوئی ہوگا آگے
نہ اے آقا کوئی تم سا ہوا ہے
یہ کیا میں نے کہا مثل سما تم ہو معاذ اللہ
منزہ مثل سے، برتر ز ہر وہم و گماں تم ہو

عقلاً مماثل کا محال ہونا، ہمسری کا توہم نہ کر سکنا، ایسا ثانی کہ وہم میں اس کا مثل نہ سمانا، اہل عدم کی صورت نہ دیکھنا، مہر و مہ کے ڈھونڈھنے پر بھی دوسرا نہ ملنا، نظر کو نظیر کا نظر نہ آنا، ماضی و حال و مستقبل میں ثانی نہ ہونا، وہم و گمان میں بھی مثل سے منزہ و برتر ہونا۔ یہ بے مثل پیکریت کے ایسے تصورات ہیں جن سے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر پیکر ابھرتا ہے۔ اگرچہ اس میں بے مثل پیکریت کے جس اسلوب کو مدنظر رکھا گیا ہے وہ بہت سادہ ہیں تاہم فن نعت کا یہی سب سے بڑا کمال ہے کہ

اس میں عصمت رسول کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ دامن اقدس پر تنقیص کی گرد گرد بھی نہ پڑ سکے۔ جہاں سے حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ بہت اہتمام سے گذر گئے ہیں

نوری پیکر

نوری پیکر بھی صنعتِ نعت کی ایک اہم پیکری علامت ہے جس میں تشبیہات کے ان تنزیہی تصورات کو اجاگر کیا جاتا ہے جو ممدوح کی ذات کے تناظر میں نورانی کوائف کا ماحصل لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے تقدیسی ماحول میں نوری پیکر کی فراوانی ہوتی ہے۔

اشعار دیکھئے:

بنا عرش بریں مسند کفِ پائے منور کا
خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا

مٹے ظلمت جہاں کی نور کا تڑکا ہو عالم میں
نقاب روئے انور اے مرے خورشید اب سر کا

وصف کیا لکھے کوئی اس مہبط انوار کا
مہر و مہ میں جلوہ ہے اس چاند سے رخسار کا

حسن کی بے پردگی پردہ ہے آنکھوں کیلئے
خود تجلی آپ ہی پردہ ہے روئے یار کا

ہر شئی میں ہے جلوہ تیرا تجھ سے روشن دین و دنیا
بانٹا تو نے نور کا باڑہ صلی اللہ علیک وسلم

وہ آئیں تیرگی ہو دور میرے گھر بھر کی
شب فراق کی یارب کبھی سحر ہو جائے

نصیب تیرا چمک اٹھا دیکھ تو نوری
عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

یہ سر طور سے گرتے ہیں شرارے نوری
روئے پُر نور پہ یا وارے ہیں تارے گیسو

عرش بریں کا کف پائے منور کا مسند بننا، نقاب روئے انور سے عالم میں نور کا تڑکا ہونا، مہر و مہ میں چاند سے رخسار کا جلوہ ہونا، حسن کی بے پردگی اور تجلی کا آنکھوں کیلئے پردہ ہونا، نور کا باڑہ بٹنا، شب فراق کا سحر ہونا، عرب کے چاند کا لحد کے سرہانے آنا، روئے انور پہ سر طور سے شرارے کا گرنا یا تارے گیسو کا وارنا، ان تمام اشعار میں نوری پیکریت کے لطیف تمثالی تصورات جگمگا رہے ہیں جس

سے نعت کا کیف دوبالا ہوا جا رہا ہے۔

اب آیئے کچھ گفتگو جمالیاتی، آتشیں اور لونی پیکر پر ہو جائے۔ اگرچہ یہ سارے پیکر نوری پیکر کا ملازمہ کہے جا سکتے ہیں۔ مگر قدرے فرق کی وجہ سے ان کو الگ بیان کرنے کی ضرورت پڑی۔ چونکہ کلام نوری بریلوی میں یہ سارے علائم موجود ہیں۔

جمالیاتی پیکر اس میں نوری پیکر بھی شامل ہوتا ہے۔ مگر لونی پیکر میں ایک خاص رنگت کا استدراکی پہلو متصور ہوتا ہے اس لئے محاکات میں لون کو جمال نہیں قیاس کیا جا سکتا۔ کیونکہ جمالیاتی پیکر میں بہ نسبت اسکے وسعت نمایاں ہوتی ہے اور اس کا دائرۂ حسن لونی پیکر سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ برخلاف لونی پیکر کے کہ علامت کی جن تشبیہوں کا ذکر ہوتا ہے وہ ایک مخصوص نوعیت کی متحمل ہوتی ہیں۔ کلام نوری میں جمالیاتی پیکر ملاحظہ ہو۔

کھلے ہیں دیدۂ عشاق خواب مرگ میں بھی — کہ اس نگار کا ہے انتظار آنکھوں میں
بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں — کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں
یہ گھٹا جھوم کے کعبہ کی فضا پر آئی — اُڑ کے، یا ابرو پہ چھائے ہیں تمہارے گیسو
وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے — ہاں حسیں تم جو فتنے مٹا کر چلے

خواب مرگ میں انتظار کیلئے دیدۂ عشاق کا کھلنا، گل عذار کا آنکھوں میں بسنا، چاروں طرف لالہ زار کا آنکھوں میں کھلنا، فضائے کعبہ پر اڑ کے گھٹا کا آنا، ابرو پہ گیسو کا چھا جانا، حسین کا فتنے مٹا کر چلنا جمالیاتی پیکر کی انتہائی دلکش تصویریں ہیں۔ جن میں پیکر تراشی کا نامیاتی تصور بلند ہوتا جا رہا ہے۔

آتشیں پیکر آتشیں پیکر کا نوری پیکر سے ایک گہرا تعلق ہے۔ مگر یک گونہ آتشیں پیکر نوری پیکر سے علیحدہ ہے۔ چونکہ آتشیں

پیکر میں سوختگی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اس لئے ہر نوری پیکر کو آتشیں پیکر سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ پھر آتشیں پیکر میں دود کا کثیف مادہ بھی ہوتا ہے جس کو صنف نعت میں برتنے کیلئے شعری محاسن پر گہری نظر بھی ہونی چاہئے ورنہ اس سے پیکریت کی چادر تطہیر داغدار ہو جائے گی۔ جیسا کہ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں — وہی پھول خار سے دور ہے وہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اس لئے پیکریت کے اس علائم سے دھواں کا کوئی تعلق نہیں بریں بنا آتشیں پیکر کی وہ قدریں جو متعلقات سے تعبیر ہیں ان کو صنف نعت میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ اور اس سے پیکر تراشنا قبیح نہیں۔ شعر دیکھئے:

مرقد نوری پہ روشن ہے یہ لعل شب چراغ — یا چمکتا ہے ستارہ آپ کی پیزار کا

شربت دیدنے اور آگ لگا دی دل میں — تپش دل کو بڑھایا ہے بجھانے نہ دیا

وہ ہیں خورشید رسالت نور کا سایہ کہاں — اس سبب سے سایہ خیر الوریٰ ملتا نہیں

دل تپا سوز محبت سے کہ سب میل چھٹے — تپنے کے بعد ہی تو سونا کھرا ہوتا ہے

لعل شب میں چراغ کا روشن ہونا، پیزاروں کا ستارہ چمکنا، شربت دید سے دل میں آگ لگنا، خورشید رسالت میں بوجہ نور سایہ نہ ہونا، سوز محبت میں دل تپ کر میل کا چھٹنا محاکات شعری کے آتشیں پیکر ہیں۔

لونی پیکر

لون کا جمالیات سے گہرا تعلق ہے۔ یہ دراصل جمالیات ہی کے دائرۂ کار کی تابندگی کا ایک پیکری کردار ہوتا ہے۔ تاہم قدرے تمائز کی وجہ سے اس کو الگ رکھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اب لونی پیکر کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تیرے باغ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں — آفتاب اک زرد پتا ہے تیرے گلزار کا

زرد رو کیوں ہو گیا خورشید تاباں سچ بتا دیکھ پایا جلوہ کیا اس مطلع انوار کا
جو سوختہ بیزم کو چاہو تو ہرا کر دو مجھ سوختہ جاں کا بھی دل پیارے ہرا کرنا

آفتاب کا باغ حسن کا ایک زرد پتلہ ہونا، مطلع انوار کا جلوہ دیکھ کر خورشید کا زرد ہو جانا، دل سوختہ جاں کا ہرا کرنا۔ یہ سب لونی پیکر کی زندہ مثالیں ہیں۔

ان ساری تفصیلات میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام کا صرف ایک گوشہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں محاکات یا پیکر تراشی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اسی طرح آپ کے مجموعۂ کلام "سامان بخشش" کا تجزیاتی جائزہ لیا جائے تو اس میں شعر کی وہ جملہ تاثیرات محسوس کی جا سکتی ہیں جو کسی استاذ الشعراء کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ آپ نے صرف عشق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والہانہ جذبہ کو حرز جان رکھا اور تا حین حیات مدح مصطفوی کے نغمے لٹاتے رہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کے محرکات داخلی اور خارجی دونوں ہیں مگر داخلیت اس قدر غالب ہے کہ آئینۂ روح کو صیقل کرتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ صنف سخن کی اس دل کش اور جاذب سوغات میں زندگی کے وہ لمحات گردش کر رہے ہیں جو علمی مشاغل سے کسی صورت بچا لئے جاتے تھے یا بچ جاتے تھے۔ ہم اس کو ان کی بالاستیعاب شاعری نہیں کہہ سکتے۔ اگر وہ اپنے جملہ اوقات کو شاعری کی طرف مرتکز کرتے تو خدا بہتر جانتا ہے کہ سخن کے کس ذروۂ کمال پر ہوتی۔

حواشی

(۱) سلیمان بن اشعث ابوداود سجستانی امام سنن ابوداؤد ص ۶۸۴ مطبوعہ اصح المطابع دہلی

(۲) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ ص ۴۰

پبلشر زلالہ رام نرائن بینی مادھوکٹرہ الہ آباد
(۳) ابوالطیب احمد بن حسین جُعفی دیوان متنبّی ص ۶
ناشر صمد بکڈپو دیوبند ضلع سہارنپور
(۴) ابوالطیب احمد بن حسین جُعفی دیوان متنبّی ص ۲۸
ناشر صمد بکڈپو دیوبند ضلع سہارنپور
(۵) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ ص ۵
پبلشر زلالہ رام نرائن بینی مادھوکٹرہ الہ آباد
(۶) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ ص ۴۵
پبلشر زلالہ رام نرائن بینی مادھوکٹرہ الہ آباد
(۷) علی گڈھ میگزین ۷۷-۱۹۷۶ء ص ۳۸
مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس اچل تال علیگڈھ
(۸) عبدالنعیم عزیزی (علیگ) کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویئے ص ۳۸
ناشر الرضا اسلامک اکیڈمی بریلی شریف
(۹) علی گڈھ میگزین ۷۷-۱۹۷۶ء ص ۳۹-۳۸
مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس ۔ اچل تال علیگڈھ
(۱۰) عبدالنعیم عزیزی (علیگ) کلام رضا کے نئے تنقید زاویئے ص ۳۹
ناشر الرضا اسلامک اکیڈمی بریلی شریف
(۱۱) روح ادب سہ ماہی کلکتہ اپریل تا ستمبر ۱۹۸۶ء ص ۳۰
مطبوعہ اعجاز پرنٹرس ۱۸ زکریا اسٹریٹ کلکتہ

(۱۲) ماہنامہ افکار (غالب نمبر) کراچی فروری۔ مارچ ۱۹۶۶ء ص ۲۱۴
مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی پاکستان۔

(۱۳) ابن فرید میں ہم اور ادب ص ۳۷
مطبوعہ اسرار کریمی پریس الہ آباد

(۱۴) علی گڈھ میگزین ۷۷-۱۹۷۶ ص ۴۰
مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس۔ اچل تال علی گڈھ

(۱۵) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۲۰
ناشر رضا اکیڈمی ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ بمبئی۔

(۱۶) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۳۰
ناشر رضا اکیڈمی ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ بمبئی۔

(۱۷) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۱۰۲
ناشر رضا اکیڈمی ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ بمبئی۔

(۱۸) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۱۴۱
ناشر رضا اکیڈمی ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ بمبئی۔

(۱۹) محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص ۸۸
ناشر رضا اکیڈمی ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ بمبئی۔

(۲۰) یٰسین اختر مصباحی مولانا المدیح النبوی ص ۳۶
مطبوعہ مطبع کوثر سرائے میر اعظم گڈھ

(۲۱) الطاف حسین حالی خواجہ مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۶۳
مطبوعہ تاج آفسٹ پریس الہ آباد

(۲۲) مقدمہ فرش پر عرش (دیوان محدث اعظم) ص ۷
ناشر رضوی کتاب گھر بھیونڈی تھانہ

(۲۳) انوار رضا ص ۵۶۶
مطبوعہ معارف پرنٹنگ پریس لاہور

(۲۴) معارف رضا شمارہ ہشتم ۱۹۸۸ء ص ۱۲۳
ناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

(۲۵) احمد رضا امام حدائق بخشش ص ۶۴
ناشر رضا دار الاشاعت بہیڑی بریلی شریف۔

پندرہویں صدی کا مجدّد

مولانا توصیف رضا خاں
صدر جمعیۃ العوام بریلی شریف

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا امر دینھا (سنن ابی داود)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر سو برس پر ایک مجدّد بھیجتا رہے گا جو ان کے لئے اس کا دین تازہ کرتا رہے گا۔

معزز حضرات! میں نے بحوالہ ابوداود شریف، جس حدیث پاک کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے اس میں مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہر صدی کے آغاز پر ان فیروز بختوں کی بعثت شریفہ کا ذکر فرمایا ہے جو تجدید کے منصب جلیل پر فائز ہوتے ہیں اور انھیں مجدد کا لقب دیا جاتا ہے۔ ——— مجدد کا منصب اور اس کا دائرۂ کار و اختیار سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مفہوم تجدید ذہن نشین کرلیا جائے سراج منیر میں ہے۔ معنی التجدید الاحیاء مما اندرس من العمل بالکتاب

والسنة والامر بمقتضاها۔ تجدید دین سے مراد یہ ہے کہ کتاب سنّت کی منشاء کے مطابق حکم جاری کرنا اور کتاب و سنت سے متعلقہ امور جو مٹتے جارہے ہوں انھیں زندہ کرنا علامہ منادی فرماتے ہیں (ای یبیّن السنة من البدعة و یذل اھلھا یعنی مجدد دین سے غیر ضروری باتیں جو شامل ہوگئی ہوں انھیں نکالتا ہے اور ضروری باتیں جو باہر ہوچکی ہوں انھیں دین داخل کرتا ہے اور اہل بدعت کو رسوا کرتا ہے ـــــ علماء کی تصریحات کی روشنی میں مجدد وہ مرد مجاہد ہوتا ہے جو ضروری اور غیر ضروری امور میں خط امتیاز کھینچ دیا کرتا ہے۔ حاملین شریعت و عاملین رشد و ہدایت کی اعانت کرتا ہے ـــــ بدعتیوں اور گمراہ گروں کے مکروہ و پرخشونت چہروں کو اہل دنیا کے روبرو کرکے انھیں ذلیل و خوار کرتا ہے ـــــ مجدد کا منصب یہی ہے۔ ملت اسلامیہ کی ہمہ گیری اس کا دائرۂ کار و اقتدار ہے۔ ـــــ مجدّد، وقت کا ماہر طبیب، فنکار جراح ہوتا ہے۔ جس کے سر پر دوھری ذمہ داری ہوتی ہے زخم دل پر مرہم کاری کی، اور محل فساد پر نشتر زنی کی ـــــ جبکہ عہد ماضی میں دین اسلام کی حقانیت و صداقت کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنیکے لئے طاغوتی طاقتوں نے خم ٹھونک کر سر ابھارا، (۱) حکم بنانا شرک ٹھہرایا گیا (۲) مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبوت کا ہمشریک بتایا گیا (۳) قرآن کے مکمل محفوظ ہونے پر اعتراض ہوا اور اسے مخلوق کہا گیا۔ (۴) تناسخ کے ممکن اور عرش اعظم کے قدیم ہونے کی ہوا باندھی گئی (۵) بندے کو اپنے افعال کا خالق بتایا گیا۔ (۶) حساب و کتاب و میزان و پلصراط کی کوئی حقیقت نہیں۔ (۷) زکوٰۃ دینا فرض نہیں، بندہ مجبور محض ہے (۸) جنتیوں کیلئے سونا، مرنا دونوں ہوں گے (۹) بعد ایمان کوئی چیز فرض نہیں شیطان کا کوئی وجود نہیں (۱۰) جنت و دوزخ روز قیامت پیدا کئے جائیں گے

اور یہ دونوں فانی ہیں (۱۱) جو صرف لا الٰہ الا اللہ کہہ لے پھر جو چاہے کرلے اس پر عذاب نہیں (۱۲) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مقبول اور نافرمانی سے گنہگار نہیں (۱۳) ایمان عمل صالح کا دوسرا نام ہے وغیرہ وغیرہ ——— کیا وقت کی ایسی خشمگیں نگاہیں دیکھ کر کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ اسلام اپنے پورے وجود کے ساتھ باقی رہیگا؟ ——— مگر نہیں! اس پُرآشوب ماحول میں وہ نفوس قدسیہ بھی موجود تھے جنکی ہر جنبش لب فرمان رسالت اور ہر ادا سنت مصطفےٰ ہوتی تھی ——— جن کی رضا رضائے الٰہی، اور خوشی خوشنودیٔ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم تھی ——— جنہوں نے شر انگیز فتنوں سے سینہ سپر ہوکر مقابلہ کیا اور ان کے خروج کا انسداد باب کیا، جان و مال، عزت و آبرو کی قربانی سے دریغ نہ کیا، قید و سلاسل کے صعوبت انگیز مراحل سے گذرتے رہے، اپنوں اور غیروں کی تیز و تند مخالفتیں برداشت کرتے رہے لیکن دین مستقیم کی حفاظت و صیانت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا بلکہ حق و باطل میں وہ امتیازی لکیر کھینچ دی ہیں جس کی محتاج آج تک امت مسلمہ ہے ——— پہلی صدی سے موجودہ پندرہویں صدی تک مجدّد دین کا ایک طویل سلسلہ چلا آرہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ اس سلسلۃ الذہب کا آغاز حضرت عمر بن عبد العزیز سے ہے اس لئے آپ ہی مجدد مأتہ اولیٰ ہیں۔ مجدد مأتہ ثانیہ امام شافعی، مجدد مأتہ ثالثہ قاضی ابو العباس بن شریح شافعی اور امام ابو الحسن اشعری و محمد بن جریر طبری ہیں، مجدد مأتہ رابعہ امام ابو بکر باقلانی اور ابو طیب صعلوکی وغیرہما ہیں، مجدد مأتہ خامسہ امام محمد بن محمد غزالی، مجدد مأتہ سادسہ امام فخر الدین رازی، مجدد مأتہ سابعہ امام تقی الدین، مجدد مأتہ ثامنہ زین الدین عراقی شمس الدین جزری سراج الدین بلقینی ہیں۔ مجدد مأتہ تاسعہ امام جلال الدین سیوطی، اور علامہ شمس الدین سخاوی ہیں

مجدد مأتہ عاشرہ شہاب الدین رملی، ملا علی قاری ہیں، مجدد مأتہ حادی عشر امام ربانی شیخ احمد سرہندی اور محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور میر عبدالواحد بلگرامی صاحب سبع سنابل شریف ہیں، مجدد مأتہ ثانی عشر سلطان دین پرور ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر، شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی اور قاضی محب اللہ بہاری ہیں، مجدد مأتہ ثالث عشر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ہیں، مجدد مأتہ رابع عشر مؤید ملت طاہرہ صاحب تصانیف قاہرہ اعلیحضرت عظیم البرکت ہیں، مجدد خامس عشر محی السنت قامع البدعت حامی الاسلام ماحی الاظلام، مرجع الانام، حجۃ اللہ وحجۃ الاسلام، جبل استقامت، مصدر کرامت منبع فیض وبرکت، آیت من آیات اللہ، عالم متبحر، امام احمد رضا کے فرزند ارجمند، نوری میاں مارہروی کے پسر دلبند، مفتی اعظم اسلام، مرکز خواص وعوام، جناب والا اعلیٰ واولیٰ، ولی حق تعالیٰ، نائب رسول اللہ، علامہ وفہامہ، مولانا ومولوی الحاج الشاہ ابوالبرکات محی الدین آل رحمٰن محمد مصطفےٰ رضا خانصاحب نوری بریلوی ہیں متعنا اللہ ببرکاتہ وحشرنا یوم القیامۃ تحت رایاتہ ـــــــ مجدد کی شناخت معاصرین کے غلبۂ ظن اس کے قرائن واحوال اور اس کے علوم نافعہ سے ہوتی ہے، مجدد علوم دینیہ ظاہرہ وباطنہ کا عالم ہوتا ہے اور وہ ناصر سنت وقاطع بدعت ہوتا ہے مجدد کبھی ایک ہوتا ہے جیسے عمر بن عبدالعزیز بالاتفاق پہلی صدی کے مجدد اور امام شافعی دوسری صدی کے مجدد ہیں۔ ان کے ہمعصر علماء میں اعلم وافضل ہونے میں محققین کا اجماع ہے، اور کبھی دو یا جماعت ہوتی ہے ـــــــ لیکن واضح رہے کہ مجددیت کی شرطیں ہیں (۱) جس صدی کا وہ مجدد ہے اس کی ابتدا میں وہ موجود ہو (۲) جس صدی میں وہ پیدا ہوا اس صدی میں وہ معروف ومشہور اور دین کی قوت واستحکام کا سبب ہو (۳) حاکم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو (۴) علوم وفنون میں علماء کا مشار الیہ ہو (۵) سنت

کو ظاہر اور بدعت کو ختم کرتا ہو ـــــــ مجدد کا وجود انھیں شرائط خمسہ سے مشروط ہوتا ہے۔ ہمارا ممدوح پندرہویں صدی کا مجدد ہے اس لئے کہ وہ پندرہویں صدی میں بقید حیات رہ کر علمائے معاصرین کا مشارٌ الیہ بنا رہا۔ چودھویں صدی ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ میں آپ پیدا ہوئے بانوے ۹۲ سال کی عمر شریف پائی اور پندرہویں صدی ۱۴ محرم ۱۴۰۲ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ سال بھر کی عمر میں مرشد برحق کی طرف سے جمیع سلاسل کی اجازت حاصل ہوئی ـــــــ مرشد نے مادر زاد ولی کہا، اجابت رحمت نے قبول فرمایا ـــــــ چودھویں صدی کی انتہا اور پندرہویں صدی کی ابتدا تھی کہ آپ کا علمی غلغلہ خاکدان گیتی کے ہر گوشہ میں پھیل چکا تھا آپ کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرب المثل ہے، آپ ہر علم و فن میں معاصرین کے محتاج الیہ رہے، اماطۃ بدعت اور استحکام سنت آپ کا نصب العین تھا شریعت و طریقت کے امام اور حقیقت و معرفت کے محرم اسرار تھے، آج کے اس تاریخی اجلاس میں اپنے عظیم ممدوح مجدد مأتہ خامس عشر کے جمال و کمال پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو ہمیں علم و دانش کی کوئی بزم ایسی نہیں ملتی ہے جس کا وہ تاجدار نہ ہو، تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت، شرافت و کرامت، مجاہدہ و ریاضت اصابت و استقامت، ذکاوت و فراست کی وہ کونسی شاہراہ ہے جہاں اس کے نقوش قدم نہیں ملتے؟ ہمارا ممدوح خَلقاً و خُلقاً و منطقاً اپنے باپ مجدد رابع عشر امام احمد رضا کی سچی تصویر تھا، مجدد ابن مجدد اور الولد سرٌ لابیہ کی بیدار تفسیر اور اسلام کا بطل جلیل، استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک تر وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی ـــــــ آج خوارق عادات کو معیار بنا کر لوگوں کے مقامات کی تعیین کی وبا عام ہو چکی ہے چاہئے تو یہ تھا کہ ان

لوگوں کے مقامات کے عرفان کے ذریعہ ان سے ظاہر ہونے والے خوارق عادات مقام کو متعین کیا جاتا ـــــ خرق عادت تو کسی کے ایمان کی بھی دلیل نہیں پھر اسے کسی کے متقی ہونے کی دلیل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، ہمارے ممدوح کی سب سے بڑی کرامت ہر حال میں شریعت پر اس کی استقامت ہے الاستقامۃ فوق الکرامۃ ـــــ واللہ یعصمک من الناس اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا، آیت کریمہ کا لفظ عموم چاہتا ہے کہ ہر طرح کی حفاظت اس کے دائرۂ مفہوم میں آجائے ـــــ تفصیل یہ ہے کہ ہر نبی کا دور زندگی دو قسم کا ہے، ایک ظاہری جسمانی زندگی، دوسری اس کی پیغمبرانہ زندگی ہر نبی اپنی جسمانی زندگی کے لحاظ سے آج بھی زندہ ہے مگر آج کسی نبی کا پیغام اپنی شکل وصورت میں باقی نہیں رہ گیا اب اگر کسی نبی کے پیغام کا کوئی حصہ باقی بھی ہے تو وہ بھی ہمارے نبی کے پیغام کا جزء بن کر لیکن یہ ہمارے نبی کی خصوصیت ہے کہ رب کریم نے اگر ایک طرف آپ کو دشمنوں کے جان لیوا حملوں سے محفوظ رکھا اور اس بات سے بے نیاز کر دیا کہ آپ اپنے ساتھ حفاظتی دستہ لے کر چلا کریں اور پھر عالم برزخ میں آپ کی حیات ظاہری کی حقیقت کو بھی برقرار رکھا تو دوسری طرف قیامت تک پیغام کیلئے بھی حفاظت کو ذمۂ کرم میں لے لیا، المختصر! نہ لوگ رسول کریم کی ذات کو نقصان پہونچا سکے نہ پیغام کو اور نہ قیامت تک پہونچا سکیں گے، خدائے عزوجل دونوں کی حفاظت فرمانے والا ہے ہاں! ہر دور کے لحاظ سے حفاظت کے ذرائع مختلف رہے ہیں، جب منکرین زکوٰۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے صدیق اکبر کے ذریعہ پیغام رسول کی حفاظت فرمائی، قیصر وکسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا تو خدا نے اس کی حفاظت

فرمائی فاروق اعظم کے ذریعہ یونہی جب خوارج نے قرانی آیات کے مفاہیم کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی تو خدا نے پیغام مصطفوی کی حفاظت فرمائی مولائے کائنات کے ذریعہ، اسی طرح جب یزید نے شرکشی کا سر اٹھایا تو خدا نے اپنا دین بچایا حسین ابن علی کے ذریعہ ایسے ہی جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل وصورت کو بچایا امام احمد بن حنبل کے ذریعہ یونہی جب شہنشاہ اکبر نے دین الٰہی کے نام پر حقیقی دین الٰہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا مجدد الف ثانی کے ذریعہ اسی طرح جب وہابیت وقادیانیت نے اپنی فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا امام احمد رضا کے ذریعہ یونہی جب ایمرجنسی کے دور میں ظالم وجابر حاکموں نے ظلم وجفا کی حد کر دی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریے کو منوانے کیلئے ستم بالائے ستم ڈھانے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگی ہو گئیں، بلکہ ابن الوقت حکومت وقت کی حمایت پر اتر آئے، کرائے کے مفتی مسند افتاء کی مٹی پلید کرنے لگے ایسے خوف وہراس اور پرفتن ماحول میں خدا نے اپنا دین بچایا مجدد خامس عشر حضور مفتی اعظم اسلام کے ذریعہ جنہوں نے اندیشۂ سود وزیاں سے بے نیاز ہو کر حکومت کے خلاف فتویٰ دیا مجدد ابن مجدد کے جرأت مندانہ اقدام نے دینِ مصطفیٰ کو بھاری تباہی سے بچا لیا جس سے دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ مصطفےٰ رضا خاں نام ہے دین محمدی کی حفاظت کیلئے خدائی انتخاب کا۔

حضرت نوری بریلوی کی شاعری احادیث کی روشنی میں

مولانا محمد حسین ابوالحقانی رضائے مصطفےٰ
کولہا بہار

قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلشِّعْرُ بِمَنْزِلَةِ الْکَلَامِ حسنہ کحسن الکلام و قبحہ کقبح الکلام۔ (الادب المفرد)

مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ شعر مثل کلام کے ہے اچھا شعر اچھا کلام ہے، اور برا شعر برا کلام ہے، قرآن عظیم میں ان شعرا کی مذمت کی گئی ہے جن کے کلام کذب پر مشتمل ہوتے تھے خواہ موزون ہوں یا غیر موزون مگر وہ شعرا جن کے کلام توحید ربانی اور فضائل سید الکونین پر مشتمل ہوتے تھے، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سراہا ہے، اور ان پر نظر کرم فرمایا ہے۔ بخاری شریف میں اس طرح کے بہت سے اشعار موجود ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم کے معانی سمجھنے میں اگر دقّت ہو تو اہل عرب کے اشعار میں اسے تلاش کیا کرو اس سے معانی سمجھنے میں آسانیاں ہوں گی۔

مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی شاعری بھی خالص عبادت ہے۔ ہر شعر توحید ربانی اور فضائل سید المرسلین پر مشتمل ہے۔ خود فرماتے ہیں۔

گلہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار　　سقم شرعی سے ہیں منزہ اشعار

عطا فرمادے ساقی جام نوری　　لبالب جو چہیتوں کو دیا ہے
ثنا لکھنی ہے محبوب خدا کی　　خدا ہی جن کی عظمت جانتا ہے
سنا نوری غزل اسکی ثنا میں　　ثنا جس کی ثنائے کبریا ہے

پورا دیوان، سامان بخشش، پڑھ جائیے، اکثر شعر آیات واحادث کا ترجمہ نظر آئیں گے۔ اور ایسا محسوس ہوگا کہ تازہ بہ تازہ کلام لکھا گیا ہے یہ بھی مفتی اعظم کی ایک کرامت ہے، نمونتہً چند اشعار احادیث کی روشنی میں سماعت فرمائیں

(۱) سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ عطا اللہ کرتا ہے اور میں بانٹا کرتا ہوں

(مشکوٰۃ)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

انت القاسم ربّک معطی تم ہی نے سب کو نعمت دی
دے دو مجھ کو میرا حصہ صلی اللہ علیک و سلم
صاحب دولت تم ہی تو ہو قاسم نعمت تم ہی تو ہو
تم ہو سارے جگ کے داتا صلی اللہ علیک وسلم

۲- بخاری شریف میں ہے کہ بروز قیامت بندے حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک پہونچیں گے اور سب کی بارگاہ میں عرض کریں گے ہماری بخشش کرائیں، سارے انبیائے کرام جواب دیں گے اور فرمائیں گے نفسی نفسی اذھبوا الیٰ غیری، اخیر میں خاتم الانبیاء کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔ تو شافع یوم النسور فرمائیں گے۔ اِنّی لھا۔ میں تمہارے لئے ہوں ادھر آؤ ادھر آؤ۔

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

آدم سے تا حضرت عیسیٰ سب کی خدمت میں ہو آیا
نفسی سب نے ہی فرمایا صلی اللہ علیک وسلم

میرے آقا میرے مولیٰ آپ سے سن کر اِنّی لَہا
دم میں ہے دم میرے آیا صلی اللہ علیک وسلم

(۳) مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت ولادت طیبہ اپنی امت کو فراموش نہیں فرمایا، اور فرمایا۔ ربّ ہبّ لی امّتی، اور جب وقت وصال آیا تو سرکار نے جبرئیل امین سے فرمایا۔ پہلے میرے رب سے جاکر میری طرف سے عرض کرو، کہ میرے مولیٰ میرے وصال کے بعد میری امّتی کا کیا حال ہوگا۔ (احیاء العلوم)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

وقت ولادت تم نہیں بھولے وقت رحلت یاد ہی رکھے
اپنے بندے تم نے شاہا صلی اللہ علیک وسلم

آؤ آؤ میری خبر کو واروں تم پر قلب و جگر کو
میں بھی ہوں تمہارا بندہ صلی اللہ علیک وسلم

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے اپنی جان کے سوا کائنات میں سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ سرکار نے فرمایا! اے عمر۔! ابھی ایمان نامکمل ہے۔ عرض کیا! یا رسول اللہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں، سرکار نے فرمایا۔ اَلْآن، یعنی اب ایمان مکمل ہوا۔ (بخاری شریف)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

جانِ ایماں ہے محبت تری جان جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا
نورِ ایمان کی مشعل رہے روشن پھر تو
روز و شب مرقدِ نوری میں اُجالا ہو گا

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادتِ کریمہ تھی کہ اگر کسی کو کچھ دینا ہوتا تو نَعَمْ، فرماتے، اور اگر دینا منظور نہ ہوتا تو لا، نہیں فرماتے بلکہ خاموش ہو جاتے۔ (الامن والعلیٰ)

سنو گے لا نہ زبان کریم سے نوری
یہ فیض وجود کے دریا بہانے آئے ہیں

(۶) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ مَا اَوْقَعَ ظِلَّکَ عَلَی الْاَرْضِ۔ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے محبوب کا سایہ زمین پر نہیں رکھا۔ بے سایہ کے پیدا کیا تاکہ کسی انسان کا قدم آپکے سایہ پر نہ پڑنے پائے۔ (مدارک)
مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

تو ہے نور خدا پھر سایہ کیسا — کہیں بھی نور کا سایہ پڑا ہے
تو ہے ظل خدا واللہ باللہ — کہیں سائے کا بھی سایہ پڑا ہے

(۷) حضور سرورِ کونین فرماتے ہیں۔ یخرج بشفاعتہ۔ میری شفاعت سے میرا غلام جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ اور بعض غلام ایسے ہوں گے کہ یسمون الجھنمین، جہنمیوں کی فہرست میں نام درج ہو چکے ہوں گے فرشتے انھیں مقید کر کے جہنم کی طرف لے جا رہے ہوں گے، اسی اثنار میں،

میں شفیع بن کر آجاؤں گا اور غلاموں کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں کھلوا کر اپنے دامن کرم میں چھپالوں گا۔ (خلاصۂ حدیث)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

مجھ سے عاصی کو جو بے داغ چھڑا لائینگے — اہل محشر سے جو دیکھے گا وہ حیراں ہوگا
کوئی منہ میرا تکے گا کہ یہ وہ عاصی ہے — جس کو ہم جانتے تھے داخل میزاں ہوگا
ماجرا دیکھ کے یہ ہوگا کسی کو سکتہ — اک تعجب سے وہ انگشت بدنداں ہوگا
ان کی حیرت پہ کہوں گا کہ تعجب کیا ہے — خود خدا ہوگا جدھر سرور ذیشان ہوگا

(۸) حدیث قدسی ہے۔ رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب میں نے دنیا اور دنیا والوں کو آپ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر آپ کا پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا۔ تو میں کسی کو نہ پیدا کرتا۔ (انوار محمدیہ)

یہ کون و مکاں یہ زمین و زماں سب
بنے تیری خاطر تو وجہ بنا ہے

تمہارے ہی دم کی ہیں ساری بہاریں
تمہارے ہی دم سے یہ نشو و نما ہے

(۹) حدیث قدسی ہے۔ رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کُلُّھُمْ یَطْلُبُوْنَ رِضَائِیْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاکَ۔ روز محشر سب میری رضا چاہیں گے اور اے محبوب میں آپ کی رضا چاہوں گا۔

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

یہ چاہت ہے محبوب تیری خدا کو — تو جو چاہے وہ بھی وہی چاہتا ہے
کچھ ایسا سنوارا ہے تجھ کو خدا نے — کہ تو ہی خدائی کا دولہا بنا ہے

(۱۰) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ بِہٖ اٰخُذُ وَاُعْطِیْ۔ (حدیث قدسی)
دونگا محبوب کے ذریعہ سے اور قبول کروں گا محبوب کے وسیلہ ہی سے
دعا ہو یا عبادت بے وسیلۂ محبوب مردود ہے۔
مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

دامن محبوب چھوڑے مانگے خود اللہ سے
ایسے مردک کو خدا سے مدعا ملتا نہیں
وصل مولیٰ چاہتے ہو تو وسیلہ ڈھونڈ لو
بے وسیلہ نجدیو ہرگز خدا ملتا نہیں

تصوّرِ جاناں

مولانا بدر القادری اسلامک اکیڈمی
ہالینڈ

زندگی کے گزرے ہوئے ماہ و سال کا کارواں جب تصورات کی راہوں پر جادہ پیما ہوتا ہے۔ تو ان میں کچھ ایسے انمول لمحات جگمگاتے ستاروں کے مانند ملتے ہیں ـــــ جن کی تابانی و لمعانی اپنی پوری کائنات زیست پر، پرتو فگن محسوس ہوتی ہے ـــ

سب کو بھولا، ان کا ملنا اور بچھڑنا یاد ہے
داستان زیست لمحوں میں سمٹ کر رہ گئی

دیدارِ اوّلین وہ بھی ایسا ہی ایک دن تھا ـــــ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے طلبہ منوجانے کی تیاریوں میں تھے فرصت کا دن تھا۔ گرمیوں کا زمانہ۔ میں نے اپنے ہم وطن طلبہ سے اس ہماہمی کا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا منو میں کسی حاجی صاحب کی دعوت پر۔ شہزادہ اعلیٰ حضرت، تاجدار علم و فضل، مفتی اعظم ہند تشریف لائے ہوئے ہیں۔ جن کی پیشانی کی سلوٹوں میں معرفت کا نور چمکتا ہے ـــــ تقویٰ و طہارت جن کے بدن کا لباس، اور احقاق حق و ابطال باطل جن کے عمامے کا طرّہ ہے ـــــ وہ درحقیقت اسلامیان ہند کے لئے قابل فخر ہستی ہیں ـــــ مادر زاد ولی اللہ خاندانی عالم ظاہر و باطن ہیں۔

عرب و عجم میں ان کے والد گرامی، مجدد مأۃ حاضرہ کے علمی فضل و کمال اور انقلاب آفریں مذہبی کارناموں کا ڈنکا بج رہا ہے۔ ______ مفتی اعظم نائب امام احمد رضا ہیں۔ ان کے چہرے کی لمحہ بھر زیارت مدت العمر کی بے ریا عبادت سے بدرجہا بہتر ہے ______ آؤ تم بھی چلو ان کی زیارت کر لو، ایمان میں جلا، روح میں بالیدگی ______ اور احساس و شعور میں علم کا ذوق نکھر پڑے گا ______ بزرگوں کی نگاہ کرم سے کیا کچھ نہیں ملتا۔

میں نے اپنے نگراں بزرگ بھائی مولانا حکیم حسام الدین صاحب گھوسوی سے اجازت لی پھر دار العلوم کے دفتر انچارج حضرت مولانا علی احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) سے اجازت طلب کی۔ اور برادر کریم مولانا محمد قاسم قادری، مولانا عبد المجید نوری، وغیرہ کے ہمراہ مئو کیلئے چل پڑا۔ کم عمر اور ناتجربہ کار تھا ______ آقائے نعمت حضور حافظ ملت کے زیر سایہ میں رہتا ضرور تھا ______ مگر اہل اللہ کی بارگاہ کے آداب میں کیا جانوں ______؟ ان دنوں ہدایۃ النحو وغیرہ پڑھتا تھا۔ ہم جماعت طلبہ بھی سبھی مجھ سے بڑے تھے۔ حافظ محمد امین جلالپوری، حافظ . . . مونگیری میری جماعت کے ذہین اور محنتی طلبہ تھے۔ میرے ہم ذوق کھلنڈرے طلبہ میں مولوی محمد اسرائیل دیوریاوی میرے اچھے دوست تھے۔ جو نئی نئی طرزیں لا لا کر مجھ سے نظمیں لکھنے کی فرمائش کرتے تھے۔ اور میں شعر و ادب کی فضاؤں میں محو پرواز رہتا تھا۔

اشرفیہ میری قلبی اور روحانی بالیدگی کا گہوارہ ہے۔ آج بھی یورپ کی دنیا میں دس سال کا زمانہ گزار لینے کے باوجود۔ میں خواب کی دنیا میں پہونچ کر کبھی وطن مالوف گھوسی کی گلیوں اور کبھی اشرفیہ کی قدیم درسگاہ کے اردگرد

طواف کرتا رہتا ہوں۔ اشرفیہ کے ذکر پر خواہ مخواہ بھی جذبات میری مختصر داستان کو طولانی بنا دیتے ہیں۔ نہ جانے کیوں ؟ پھر بھی اس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی۔

بیان درد و محبت جو ہو تو کیونکر ہو
زباں نہ دل کیلئے ہے نہ دل زباں کیلئے (ذوق)

ہم سبھی احباب شوق کے پروں سے اڑ کر مئو جا پہونچے ـــــ خوب اچھی طرح یاد ہے کہ مئو ریلوے کراسنگ روڈ کے پاس، شارح بخاری، فقیہ عصر، نائب مفتی اعظم علامہ محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم سے شرف ملاقات ملا۔ طلبہ کے سلام پیش کرنے پر حضرت کی رکشار کی سب نے دست بوسی کی ـــــ اور گھوسی کا باشندہ ہونے کے باوجود پہلی بار مجھے نائب مفتی اعظم کی زیارت ہوئی ـــــ اور یہ حسن اتفاق کیا کہنا کہ مفتی اعظم کی سرکار میں باریابی سے پہلے ان کے نائب سے ملاقات ہوئی ـــــ سرکار مفتی اعظم کے میزبان حاجی صاحب کے دولت کدے پر علماء کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ اس بھیڑ میں میری نگاہوں نے پہلی بار اپنے مرشد طریقت کی زیارت سے شاد کامی پائی ـــــ آقائے نعمت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے بعد یہ دوسری ایسی شخصیت تھی جو نگاہوں کی راہ سے میرے دل کے نہاں خانے میں اترتی چلی گئی ـــــ منحنی پیکر، گندمی رنگ، روشن و تابناک چہرہ ـــــ دمکتی پیشانی ـــــ بھکی بھکی نگاہیں ـــــ موتی لٹاتے ہونٹ ـــــ روئی کے گالوں سے نرم نرم ہاتھ مصافحہ کو مل جائے تو آنکھوں سے مل کر ـــــ دل سے لگا کر بھی جی نہ بھرے۔

بعض اوقات کسی اور کے ملنے سے عدم
اپنی ہستی سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے

بچپن کا شعور ہی کتنا ـــــ دست بوسی کی ـــــ آنکھیں پھاڑے جب تک موقع ملا انھیں دیکھتا رہا۔ ملکوتی صفات سے مزین ایک ذات کے گرد معقول ومعقول کے ماہرین درسگاہ، فقہ وحدیث کے مسند نشیں خانقاہ وزرا یا کے خرقہ پوش کیسے پروانہ وار نچھاور ہو رہے ہیں۔ میں اس وقت کچھ زیادہ تو سمجھ نہ سکا مگر حیرت و استعجاب نے یہ احساس ضرور دیا کہ اپنے اپنے فن کے ان عظیم فنکاروں، علمائے اعلام اور مشائخ کرام کا شہزادہ امام احمد رضا کے روبرو اس طرح سراہ آنکھیں بچھانا۔ اور عقیدت واحترام میں بیخود ہونا بلا وجہ تو نہیں ہو سکتا۔

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہ تھی سرکار مفتی اعظم کے روئے تاباں کی پہلی زیارت جو مجھے نصیب ہوئی۔ میری عمر اس وقت ۱۲ ـ ۱۳ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے بعد برادر مکرم مولانا رضوان احمد شہید سے جو مفتی اعظم کے مرید تھے نسبت رضوی ونوری کا نقش ذہن پر ثبت ہوتا رہا۔ اور متعدد جلسوں اور کانفرنسوں کے مواقع پر اس آفتاب ولایت کی تابانیوں سے استفادے کا موقع ملتا رہا۔ تا آنکہ اگست ۱۹۷۸ء میں ہالینڈ کا سفر درپیش ہوا ـــــ وہ سفر جس نے مجھے میرے ماحول ـــــ میری دنیا ـــــ میری جولانگاہ ـــــ میرے وطن ـــــ اور میرے احساسات اور شعور کی رگوں میں نغمہ تحریک بن کر گونجنے والی فضاؤں سے محروم کر دیا۔

بچھڑ گئے ہیں کہاں ہم سفر خدا جانے
نقوش پا بھی نہیں گرد کارواں بھی نہیں

شرف بیعت | ہالینڈ میں کم وبیش دس ماہ پہلا قیام کرنے کے بعد وطن واپسی ہوئی تو روح کی کشش آستانۂ عالیہ رضویہ پر لے گئی۔ میرے ساتھ ہالینڈ کے ایک معمر شخص اسحاق خدا بخش، اور برادر کریم ڈاکٹر محمد قاسم قادری مورانوی بھی تھے۔ سرکار مفتی اعظم نے کرم فرمایا۔ اور اپنے آنگن میں بلا کر شرف زیارت و بیعت سے نوازا۔ اور میری خواہش اور طلب کے بغیر شہزادۂ گرامی حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری قبلہ سے خلافت نامہ منگوا کر پُر کرایا۔ اور دستخط سے مزین فرما کر عنایت کیا۔

میں اس الطاف خسروانہ پر شرمندہ بھی تھا اور حیراں بھی ـــــ ایک لاابالی، کھلنڈرا، غیر متوازن انسان، اعمال، اوراد اور معمولات تو الگ، جس کے فرائض و واجبات بھی، اگر رحمٰن ورحیم رب قبول فرمالے تو قابل قبول ہیں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم پھر بھی بزرگوں کا یہ فرمودہ میری تسکین کا ذریعہ بنا۔

داد حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد اوست

خلافت نامہ کے ساتھ خاص اندرون خانہ سے منگا کر اپنا استعمال کردہ ہلکے ہرے رنگ کا ایک رومال عطا فرمایا ـــــ رومال مبارک جو برادر مکرم مولانا ڈاکٹر محمد قاسم قادری، الحاج محمد اسحاق خدا بخش اور مجھے مشترک عطا ہوا تھا ـــــ مگر کرم فرما دونوں رفیقوں نے اپنے حق سے دستبردار ہو کر مجھے ہی بخش دیا تھا۔ جو آج بھی میری گراں قدر متاع ہے۔ اور لباس عالم آخرت کا جز بنانے کیلئے بحفاظت رکھا ہوا ہے ـــــ فقیر قادری کو اس نعمت گراں بہا کا حصول، سرکار مفتی اعظم کی غلامی میں داخلہ اور حصول خلافت ـــــ ۲۳ جمادی الاخری ۱۳۹۹ھ / جون ۱۹۸۹ء کو ہوا۔ فالحمد للہ الوہاب علی نعمہ وکرمہ وفضلہ العظیم۔

دس سالہ قیام ہالینڈ کے دوران آفات و مصائب کے متعدد طوفان سامنے آئے ـــــ مگر الحمد للہ، میرے آقایان نعمت کا بے پایاں کرم ہے کہ ہر حال میں میری پشت پناہی فرماتے رہے ـــــ اور ان حضرات کی پشت پناہی ـــــ عزم و ثبات قدمی ـــــ بلند حوصلگی ـــــ اور بالآخر کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔

اندھیری رات میں گر ان کی یاد ساتھ نہ دے
کہاں اٹھیں یہ قدم اور کہاں ملے منزل

ہالینڈ اور بلیجم کے اندر سلسلۂ عالیہ رضویہ کی اشاعت ہو رہی ہے ـــــ کئی خانوادوں کو بریلی شریف بھیج کر داخل سلسلہ کرایا گیا ہے ـــــ بعض لوگوں نے حرمین طیبین کی سرزمین پر جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں قادری دامت برکاتہم کے دامن سے وابستگی حاصل کی ہے ـــــ اور ایک بار کے سفر ہالینڈ کے دوران جانشین مفتی اعظم نے "قادریت و رضویت"، کے انوار سے اس خطۂ تاریک کو نمود و رونق بھی بخشی ہے۔

رہے یہ جاری قیامت تک ان کا فیض عام
جہاں میں پھولے پھلے باغ رضوی ولوری
بدرؔ

آخری دیدار

اسٹرڈم میں (۱۸۷) اسلامک سینٹر نیدرلینڈ کی عملی تگ و دو نقطۂ عروج پر تھی ـــــ اور وطن ہند میں بھی کئی ضروری کام میرے سفر کا مطالبہ کر رہے تھے ـــــ اسی دوران میرے مرشد طریقت کی کشش نے یہاں کے کاموں سے دل اچاٹ کر دیا۔ اور یک بیک میں نے وطن کا رخت سفر باندھا ـــــ پہلے سیدھے گھوسی پہونچا ـــــ پھر برادران گرامی

مولانا محمد احمد مصباحی و مولانا عبد المبین نعمانی کے ہمراہ بریلی شریف حاضر ہوا ـــــ نبیرۂ اعلیٰحضرت مولانا ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ کے ذریعہ مرشد طریقت کی زیارت نصیب ہوئی ـــــ نقاہت حد سے زیادہ تھی ۔ اہل ارادت و محبّت کا دن رات تانتا بندھا رہتا تھا ـــــ معالجین نے لوگوں سے ملنے جلنے پر پابندی لگا رکھی تھی

ع خود راہ بنالے گا بہتا ہوا پانی ہے

کے مانند جانبازان مفتی اعظم زیارت اور قدمبوسی حاصل ہی کر لیتے تھے ـــــ اس وقت حضرت پر اکثر استغراق کی کیفیت رہتی ـــــ زبان ہمہ دم محو ذکر رہتی ـــــ جب بھی ہوش میں آتے نماز کے بارے میں پوچھتے ـــــ مجھے نماز پڑھنی ہے ـــــ کیا میں نے نماز ادا کی ـــــ ؟ یا اللہ میری نماز ۔! اس عرصہ میں مخلوق خدا شب و روز ٹوٹی پڑتی تھی ـــــ محلہ سوداگران میں مخلوق خدا کا تانتا لگا رہتا تھا ۔ شیخ و شاب ـــــ علماء فضلا و عوام ـــــ تمنّائے دیدار لئے چلے آتے تھے

نصف شب کے قریب ہم نے اس آفتاب ولایت کا دیدار کیا ، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا ۔ اور ان کے لرزتے لبوں کی دعائیں لیں ـــــ کسے خبر تھی یہ دیدار ہی ان کا آخری دیدار ہے ۔ اور اب اس عالم میں ـــــ نگاہیں ان کے جلووں سے محروم رہیں گی ـــــ دوسرے روز ہم لوگ مبارکپور لوٹ آئے ۔

اور وہ چلے گئے ۱۴ محرم ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۱ء کی تاریخ مسلمانان برصغیر کیلئے غم واندوہ کی یہ خبر لائی کہ شب میں ایک بج کر چالیس منٹ پر شہزادۂ اعلیٰحضرت سرکار مفتی اعظم کا وصال ہوگیا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

۱۵ محرم کو اپنی بیٹھک کے اندر نماز مغرب سے فارغ ہو کر اہل خانوادہ کے ہمراہ بیٹھا

ہوا تھا کہ دار العلوم اہلسنت شمس العلوم سے مولانا عاصم اعظمی، مولانا رضوان احمد شرفی کا فرستادہ حضرت کے وصال اور ۱۹ محرم ـــــ دو بجے نماز جنازہ کی خبر لایا۔ ـــــ سنتے ہی بجلی سی گر پڑی ـــــ اوسان خطا ہو گئے ـــــ گھر میں جاکر والدہ ماجدہ کو خبر دی اور اجازت لے کر فوراً روانہ ہو گیا۔ بس سے اعظم گڈھ روڈ ویز پہونچا تو شب کو دس بجے وہاں ہزاروں مشتاقان مفتی اعظم کو آمادۂ سفر دیکھا۔ مبارکپور محمد آباد، جین پور، گھوسی، خیر آباد، چریاکوٹ، شہر اعظم گڈھ، اور دیگر قصبات و قریات کے مسلمان سواریوں کے انتظار میں سرگرداں نظر آئے۔

بہر حال ایک بس میں جگہ ملی اور ہم لوگ لکھنؤ جا پہونچے برادران گرامی مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا عارف اللہ قادری مولانا نصر اللہ قادری، مولانا قاری شفیق مبارکپوری مولوی محمد محفوظ ہولندی اور راقم الحروف ہمراہ ہی تھے ـــــ لکھنؤ سے بھی مناسب وقت پر سواری مل گئی اور بارہ بجے تک ہم لوگ پھر سرزمین بریلی پر وارد ہو گئے ـــــ چند روز پہلے تو صرف محلہ سوداگراں عشاق مفتی اعظم سے بھرا پڑا تھا ـــــ اور آج تو شہر بریلی کا وسیع و عریض دامن بھی انسانی سیلاب سے تنگ ہو رہا ہے۔

یہ کس کے روئے منور کی جلوہ باری ہے
نظارا کرنے کو پیر و جواں سبھی نکلے بدر

لاکھوں سوگوار آنکھوں نے اس آفتاب ولایت کو زیر زمیں چھپتے دیکھا ـــــ اس کے ساتھ ہی ایک عہد کی داستان دفن ہو گئی ـــــ تقویٰ اور پارسائی کا معیار اپنے کردار کے دامن میں رکھنے والا چلا گیا۔ مگر ایک روشن تاریخ چھوڑ کر ـــــ ایک شمع بجھ گئی مگر ہزاروں چراغ جلا کر۔

——— انسانی قلوب واذہان میں ایمان وتقویٰ کے نور بکھیرنے والے مرتے کہاں ہیں وہ تو وفات پاکر زندہ جاوید ہو جاتے ہیں

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است